Atlantis
Publications
پاگل واپسی
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز
اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ناول لکھتے چالیس سال ہو گئے ... اب تو یوں لگتا ہے، جیسے میں لکھنے کے لیے ہی پیدا ہوا تھا ... جیسے لکھنے کا اور میرا چولی دامن کا ساتھ ہے، جیسے میں روزانہ لکھوں گا نہیں تو دن نہیں گزرے گا ... کھانا ہضم نہیں ہوگا ... جیسے لکھنا میرا اوڑھنا بچھونا ہے ... لیکن یہ سب احساسات صرف میرے ہیں ... آپ کے نہیں، لہٰذا آپ ایسی کوئی بات محسوس نہیں کریں گے۔ میں نے بہت چاہا ... بہت سوچا ... اب ناول لکھنا بند کر دوں ... لیکن یار لوگ کہتے ہی نہیں ... آپ بس لکھتے رہیں ... ہے کوئی تک۔ ٹھیک ہے یا نہیں ... لکھنا تو پھر بھی پڑے گا ... لیکن خیر چھوڑیں! آپ کو اس سلسلے میں کیا بور کرنا ... آج ایک صاحب کا فون موصول ہوا ... بلکہ نہیں ... پہلے ان کا خط ملا ... ان کا نام عمران ہے اور وہ کراچی میں کسی کوریئر کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں ... انہوں نے لکھا تھا: ''بچپن سے آپ کے ناول پڑھ رہا ہوں ... آپ کے تمام ناول میں نے بہت سنبھال کر سفید رنگ کا کور چڑھا کر سنبھال کر رکھے ہیں ... یہ شوق نہیں تو کیا

ہے یعنی پہلے ایڈیشن والے تمام ناول... دوبارہ شائع ہونے والوں کی بات نہیں کی ہے... سنا ہے کچھ شائقین ان ناولوں کو ڈھونڈتے ہیں، تلاش کرتے ہیں... آپ کو تو ایسے کچھ لوگوں کا پتا ضرور ہے... یہ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ میں آج کل حالات کا ستایا ہوں... تنگ دست ہو گیا ہوں... مجھے کچھ پیسوں کی شدید ضرورت ہے... میں وہ تمام ناول فروخت کرنا چاہتا ہوں... اپنے شوق کی چیز کو کون فروخت کرتا ہے... لیکن حالات انسان کو شکنجے میں کس دیتے ہیں، مفلسی دل کی امنگوں کو کچل دیتی ہے... آپ میرے لیے ان ناولوں کا کوئی گاہک تلاش کر دیں۔"

ان کا خط پڑھ کر بہت رنج محسوس ہوا... انہیں فون کیا اور انہیں بتایا کہ میں تو خود ناول خریدتا رہتا ہوں... آپ بتائیں آپ ان ناولوں کے کتنے پیسے لینا چاہتے ہیں... انہوں نے جواب دیا، میں تھوڑی دیر تک آپ کو فون کر دیتا ہوں۔ میں ان کے فون کا انتظار میں ہوں۔ سوچا کیوں نہ ان کا جواب آنے تک ناول کی دو باتیں لکھ لوں۔ سو ابھی یہ دو باتیں لکھ دیں تاکہ سند رہیں اور معلوم ہو جائے... میرے بھی ہیں پڑھنے والے کیسے کیسے۔

پاگل

ان کا دروازہ کسی نے خوب زورزور سے دھڑ دھڑایا...

وہ بری طرح چونکے:

"یہ ضرور کوئی پاگل ہے، جسے گھنٹی کا بٹن نظر نہیں آ رہا..." محمود نے بڑا سا منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہو... وہ نابینا ہو۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں! اس صورت میں تو وہ دروازہ ہی دھڑ دھڑا سکتا ہے۔"

اسی وقت پہلے کی نسبت اور زور سے دروازہ پیٹا گیا... ایسا لگتا تھا جیسے اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو:

"جاؤ... دیکھ لو کون ہے... ورنہ یہ شخص دروازہ توڑ دے گا... پتا نہیں کتنی مرتبہ ہم یہ دروازے لگوا چکے ہیں۔" بیگم جمشید نے باورچی خانے میں سے گھبرا کر کہا۔

"جی اچھا امی جان!" محمود نے کہا اور اٹھنے لگا...

اسی وقت فاروق کے منہ سے نکلا:

"ایک منٹ محمود ... پہلے دیکھ لینا کہیں باہر کوئی دشمن نہ ہو۔"

"فکر نہ کرو۔"

اس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا ... پہلے اس نے میجک آئی سے باہر دیکھا، جھاڑ جھنکار سا آدمی نظر آیا ... شکل سے بالکل پاگل لگتا تھا ... کپڑے بھی بالکل بے ڈھنگے تھے ... ابھی وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ اس نے پھر زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔

آخر محمود نے برا سا منہ بناتے ہوئے دروازہ کھول دیا ... اور ساتھ ہی بولا: "شاید آپ کو دروازہ کھٹکھٹانے کی تمیز نہیں ہے۔"

"قمیض ؟؟"

"قمیض نہیں ... تمیز!"

"چیز ... مجھے کوئی چیز نہیں چاہیے۔"

"آپ شاید اونچا بھی سنتے ہیں۔"

"کون میں ... نہیں تو ... میں تو آپ کی ہر بات بالکل صاف سن رہا ہوں۔"

"اچھا خیر ... آپ فرمائیں ... اس طرح زور زور سے دروازہ کیوں پیٹ رہے ہیں، گھنٹی بھی تو لگی ہوئی ہے۔"

"کون سی گھنٹی۔"

"یہ رہی گھنٹی ... دروازے کی گھنٹی۔" محمود جھلا اٹھا، پھر بولا:

"آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"میں ... میں تو کچھ بھی نہیں چاہتا ... ہاں یاد آیا ... وہ تھوڑی سی ... بالکل ذرا سی ... بے شک روکھی ہی ہو ... روٹی مل جائے گی ... اتنی سی۔" اس نے انگلیوں سے اشارہ کیا۔

"روٹی ... تو آپ کو روٹی چاہیے ... اچھا ٹھہریں ابھی لاتا ہوں۔"

محمود نے دروازہ برابر کیا اور اندر آ گیا:

"یہ تو کوئی بھوکا ہے بے چارہ ... کہہ رہا ہے ... اتنی سے روٹی دے دیں ... چاہے سوکھی ہی دے دیں۔"

"اوہ!" ان تینوں کے منہ سے نکلا ... پھر بیگم جمشید نے کہا:

"بیٹا! اسے اندر لے آؤ ... پیٹ بھر کھانا کھلا دیتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک امی جان۔"

وہ پھر دروازے پر چلا گیا ... اس نے دروازہ کھولا تو وہ شخص بیگم شیرازی کے دروازے کی طرف جاتا نظر آیا ... شاید اس سے مایوس ہو گیا تھا ... وہ تیزی سے باہر نکلا اور بازو سے اسے پکڑتے

ہوئے بولا: ''آیئے نا... آپ کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

وہ فوراً اس کے ساتھ واپس مڑ گیا... اب وہ اسے کھانے کے کمرے میں لے آیا... فاروق اور فرزانہ بھی ساتھ تھے:

''آپ یہاں بیٹھیں... ابھی کھانا آجاتا ہے۔''

''اچھا... مہربانی... شکریہ'' اس نے کہا... لیکن یہ کہتے وقت اس کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے تھے... اس پر انہیں حیرت ہوئی... اگر وہ بھوکا تھا تو کھانے کا سن کر اسے خوشی ہونی چاہیے تھی... اس لیے وہ خبردار بھی ہو گئے کہ کہیں یہ کوئی چکر نہ چلانے آیا ہو:

''فرزانہ! تم کھانا لے آؤ... میں اور فاروق ان کے پاس ٹھہریں گے۔''

''بالکل ٹھیک...'' فرزانہ نے سمجھ جانے والے انداز میں کہا اور باہر نکل گئی۔

دونوں اس کی طرف دیکھتے رہے... لیکن اس نے ایک بار بھی ان کی طرف نہ دیکھا۔ ادھر وہ چاہتے تھے کہ پہلے وہ کھانا کھا لے... پھر بات کریں گے... کیا پتا وہ واقعی بھوکا ہو اور نہ جانے اسے کتنی بھوک لگی ہو۔ جلد ہی فرزانہ کھانے کی ٹرے لے آئی... ٹرے پوری

طرح بھری ہوئی تھی... جونہی اس کے سامنے رکھی گئی... اس نے بالکل بھوکوں کی طرح کھانا شروع کر دیا... نہ وہ اتنا سارا کھانا دیکھ کر چونکا... نہ حیران ہوا اور نہ خوش... بس کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

اس کے کھانے کا انداز بھی حد درجے عجیب تھا... دونوں ہاتھوں سے کھا رہا تھا... کبھی دائیں ہاتھ کی مٹھی میں کھانا لے کر منہ میں ڈال رہا تھا... تو کبھی بائیں ہاتھ سے... اور اس تیزی سے کھا رہا تھا... گویا وہ کوئی مشین ہو... وہ حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھ رہے تھے، جب کہ اسے ان کا کوئی خیال نہیں تھا... یوں لگتا تھا، جیسے وہ کمرے میں اکیلا ہو... آخر صرف چند منٹ میں اس نے ٹرے خالی کر دی... فرزانہ یہ بات پہلے ہی بھانپ چکی تھی کہ ٹرے خالی ہونے کو ہے... لہٰذا وہ باورچی خانے کی طرف دوڑ لگا گئی تھی... اس سے پہلے کہ ٹرے بالکل خالی ہو جاتی... وہ دوسری ٹرے لے آئی... اس نے پہلی ٹرے اٹھا کر دوسری اس کی جگہ رکھ دی... اسے جیسے اس تبدیلی کا کوئی احساس نہ ہوا... جیسے پہلے کھاتا رہا تھا، ویسے ہی اب بھی کھاتا رہا... اب بھی اس کے کھانے کا انداز وہی تھا... مسلسل دونوں ہاتھوں سے کھا رہا تھا... دائیں ہاتھ والا لقمہ ختم ہوتا تو وہ بائیں ہاتھ والا منہ میں ڈال لیتا اور اتنے میں دائیں ہاتھ میں پھر

کھانا لے لیتا... لیکن اس بار وہ پوری ٹرے خالی نہ کر سکا... کچھ
کھانا ٹرے میں بچ گیا... تب اس نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف
دیکھا... اور بولا:

"چائے ملے گی۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔" فرزانہ نے کہا اور فوراً باہر نکل گئی...
فوراً ہی وہ چائے کا کپ اٹھائے اندر داخل ہوئی اور کپ اس کے
سامنے رکھ دیا:

"یہ چائے ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"آپ نے تو ابھی چائے پی کر دیکھی ہی نہیں... تو کیسے کہہ
دیا کہ یہ چائے ہے۔"

"میں تھوڑی سی چائے کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ اچھا... فکر نہ کریں... آپ یہ شروع کریں... اور
چائے بھی آجاتی ہے..." یہ کہتے ہی فرزانہ باہر نکل گئی...

اس بار وہ آئی تو ایک بڑا مگ اس کے ہاتھ میں تھا... اس
وقت تک وہ اپنا کپ خالی کر چکا تھا... مگ دیکھ کر بھی اس کے چہرے
پر خوشی نہ آئی... بس وہ اب مگ سے چائے پینے میں مشغول ہو چکا
تھا... جب وہ مگ خالی ہو گیا تو فرزانہ نے پوچھا:

"چائے اور لاؤں۔"

"نہیں بس... 35 سال بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے اور پیٹ
بھر کر چائے پی ہے۔"

"کتنے عرصے بعد۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"35 سال بعد۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا مطلب... 35 سال کے بعد پیٹ بھر کے؟"

"کس بات کا مطلب بتاؤں... مم... مجھے نیند آرہی ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کر فرش پر لیٹ گیا... اور ساتھ ہی
اس کی آنکھیں بند ہو گئیں:

"ارے ارے... یہاں نہیں... ڈرائنگ روم میں چل کر سو
جائیں..." محمود چلایا۔

اس کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی... جلد ہی اس کے خراٹے
کمرے میں گونج رہے تھے:

"اب اس کا کیا کریں... یہ بے چارہ تو فرش پر ہی سو گیا۔"

"کوئی بات نہیں... اس کے بدن کے ساتھ ایک گدا بچھا دیتے
ہیں اور اسے کروٹ دے دیتے ہیں، اس طرح یہ گدے پر آجائے گا

اور اپنی نیند پوری کرے گا... کیا خبر جس طرح اس نے آج 35 سال بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے... اسی طرح سیر ہو کر سونا بھی آج ہی نصیب ہوا ہو۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"اس میں شک نہیں، اس بات کا زبردست امکان ہے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ایک امکان اور بھی ہے اور زیادہ امکان وہی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہ کہ یہ کوئی چکر ہے اور ہم اس چکر کی لپیٹ میں آنے والے ہیں۔" فاروق نے کہا، پھر ساتھ ہی چونک اٹھا:

"ارے یہ کیا... چکر کی لپیٹ! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"حد ہو گئی... ہے کوئی تک۔" محمود بھنا اٹھا۔

"ہے تو نہیں۔" فرزانہ نے سر ہلایا۔

"پہلے تو اس بے چارے کے نیچے گدا بچھا دیتے ہیں۔"

فرزانہ دوڑ کر گئی اور گدا لے آئی... محمود اور فاروق نے وہ بچھا دیا اور اسے کروٹ دے دی... اس طرح وہ گدے پر آ گیا۔

"اب آؤ میرے ساتھ۔" محمود نے اشارہ کیا۔

تینوں کمرے میں سے نکل آئے... محمود نے کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی:

"اب باہر تو نکل نہیں سکے گا... اور ہم دروازے کے خفیہ سوراخ سے اس کی نگرانی کر سکیں گے... اگر یہ کسی چکر کے چکر میں آیا ہے تو اٹھ کر اپنا کام شروع کرے گا اور اگر یہ واقعی مصیبت زدہ ہے... تو پھر جلد نہیں اٹھے گا... بہر حال ہم باری باری نگرانی کریں گے... ابا جان آ جائیں گے تو وہ جائزہ لے کر نہایت آسانی سے بتا سکیں گے کہ یہ کسی چکر میں ہے یا نہیں۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

پانچ بجے تک وہ نگرانی کرتے رہے... پھر دروازے کی گھنٹی بجی... ان کے والد آ گئے تھے... محمود نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی:

"لگتا ہے... کوئی بات بتانے کے لیے بے چین ہو۔" وہ مسکرائے بھی۔

"آپ نے کیسے جان لیا۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"تم دوڑ کر آئے ہو... دوڑ کر آنا تمہارا معمول نہیں... بلکہ

ٹھہرو ... میں یقین سے کہہ سکتا ہوں ... گھر میں کوئی مہمان موجود ہے۔'' وہ اور زور سے مسکرائے۔

'' اور یہ کیسے جان لیا آپ نے ۔''

'' گھر میں کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے ... جب کہ یہ ہمارا کھانے کا نہیں، چائے کا وقت ہے ۔''

'' واہ ... کیا بات ہے۔'' فرزانہ بولی ۔

'' تو یہی بات ہے ... کون ہے وہ ؟''

'' یہ تو ہم بھی نہیں جانتے ۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی اجنبی ہے ... کہاں ہے وہ۔''

'' آیئے۔'' محمود نے کہا اور کھانے کے کمرے کی طرف بڑھا:

'' یہ کیا ... وہ اب تک کھانے کے کمرے میں ہے۔''

'' جی ہاں!''

'' لیکن یہ بات تو ٹھیک نہیں... اگر مہمان کھانا کھا رہا ہے ... تو تمہیں بھی اس کے پاس ہونا چاہیے ۔''

'' وہ کھانا کھا چکا ہے ۔''

'' مہمان اگر کھانا کھا چکا ہے ... تو پھر اسے ڈرائنگ روم میں ہونا چاہیے۔'' انہوں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

'' جی ہاں! ہونا تو یہی چاہیے تھا ... مگر ہو نہیں سکا ... آپ خود ہی آکر دیکھ لیں ۔''

'' دیکھ لوں... تو کیا وہ سو رہا ہے ۔''

'' حیرت ہے ... آپ بہت جلد بات کو بھانپ لیتے ہیں ۔''

'' وہ سراغرساں ہی کیا ... جو بات کو جلد بھانپ بھی نہ سکے ۔''

'' آپ ٹھیک کہتے ہیں... دراصل اس نے ڈٹ کر کھایا تھا... کھانا دو ٹریے کے قریب کھایا... تب کہیں جا کر اس کا پیٹ بھرا... پھر پتا ہے ابا جان اس نے کیا کہا تھا ۔'' فرزانہ نے جلدی جلدی بتایا۔

'' کیا کہا تھا۔''

'' کہہ رہا تھا ... 35 سال بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔''

'' کیا !!!'' مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا ... پھر وہ بولے : '' آؤ ... میں اسے دیکھ لوں ... پھر چائے پئیں گے ۔''

اب وہ اندر آئے ... مہمان ابھی تک گہری نیند سو رہا تھا ... انہوں نے اس کا غور سے جائزہ لیا۔ اس کے کپڑوں، اس کے پیروں کا ... سر اور ڈاڑھی کے بالوں کا ... پھر انہوں نے کہا:

'' یہ کسی بیگار کیمپ سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا ہے ... تب ہی اس نے کہا ہوگا کہ 35 سال بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے ...

دراصل بیگار کیمپوں میں بہت ظلم ہوتا ہے ... تمام دن پتھر تڑوائے جاتے ہیں ... تب کہیں پورے دن میں دو روٹیاں ملتی ہیں ... یہ لوگ کس قدر ظالم ہیں ... یہ ظلم کی انتہا ہے ... اتنے وقت میں اتنا کام لے کر پیٹ بھر کر کھانے کو بھی نہ دینا اور نہ سونے دینا۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ان تینوں کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے ... اسی وقت انہوں نے بیگم جمشید کی بھرائی ہوئی آواز سنی:

''چائے لگ گئی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے امی جان! لیکن آپ کی آواز کیوں بھاری ہو گئی ہے۔''

''میں نے بھی آپ کی باتیں سنی ہیں۔''

''اوہ اچھا! آؤ بھئی پہلے چائے ہو جائے... اس بے چارے کو ہم جگائیں گے نہیں ... نیند پوری کرنے دیں گے ... تاکہ جس طرح اس نے آج پیٹ بھر کر کھایا ہے، اسی طرح خوب جی بھر کر سو بھی لے ... پھر انشاء اللہ ہم اسے اس کے گھر پہنچا دیں گے۔''

''گھر تو ہم اس صورت میں پہنچائیں گے نا ... جب یہ اپنا پتا بتانے کے قابل ہوگا ... ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کس شہر

کا ہے ... ہمارے شہر کا ہے ... یا کہیں اور کا۔''

''ابا جان! یہ ہمارے خلاف کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے ... یہ کسی کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے یا ہمارے خلاف یہ کوئی منصوبہ بھی ہو سکتا ہے۔'' فرزانہ کہتی چلی گئی۔

''ہاں! ہونے کو تو ہو سکتا ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

پھر دوسرے دن صبح انہوں نے کھانے کے کمرے میں سے آواز بلند ہوتی سنی ... مہمان کہہ رہا تھا:

''یہ میں کہاں ہوں، اس کمرے کا دروازہ کیوں بند ہے۔''

وہ فوراً کمرے کی طرف لپکے:

☆☆☆

گڈو

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے:

'' ارے ہاں! یاد آیا... آپ تو وہی ہیں ... جنہوں نے مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا تھا اور جی بھر کر چائے بھی پلائی تھی۔''

'' آپ کو اب پھر بھوک تو نہیں لگ گئی۔'' محمود نے نرم لہجے میں پوچھا۔

'' بھوک ... نہیں تو...''

'' تو پھر آپ ہمارے ساتھ آئیے۔''

وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئے... صحن میں تو اسے بٹھا نہیں سکتے تھے... بیگم جمشید کو باورچی خانے سے آخر آنا جانا پڑتا تھا:

'' فرزانہ! اپنی امی سے کہو ... ہمیں چائے ڈرائنگ روم میں دے دیں۔''

'' جی اچھا۔'' فرزانہ یہ کہہ کر پھر اندر آگئی:

'' اب آپ اپنے بارے میں بتائیں ... آپ کون ہیں اور آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ 35 سال بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔''

'' میں نے ... غلط نہیں کہا تھا۔''

'' مہربانی فرما کر اپنے بارے میں بتائیں۔''

'' میں ... میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

'' اچھا یہ بتائیں ... آپ کا نام کیا ہے۔''

'' وہ لوگ مجھے گڈو کہتے تھے۔''

'' گڈو...!'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

'' ہاں! گڈو ... شاید میرا نام بھی ہوگا۔''

'' ہوگا؟ ... یہ کیا بات ہوئی ... آپ کا گھر کہاں ہے ... آپ کے والدین یا بہن بھائی کہاں رہتے ہیں ... ان کے نام کیا ہیں۔''

'' م ... مجھے کچھ معلوم نہیں ... وہاں تو سب کے سب مجھ جیسے لوگ رہتے ہیں ... وہ صبح سے شام تک پتھر توڑتے ہیں ... ہمیں ایک روٹی صبح ملتی ہے اور ایک روٹی شام کو، صبح سویرے چائے کی ایک پیالی اور بس ... ہاں دن میں پانی جتنا جی چاہے، پی سکتے ہیں۔''

'' آپ کہاں کی بات کر رہے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے کہا۔

انہوں نے حیران ہو کر دیکھا... جیسے کہہ رہے ہوں:

''یہ کوئی پاگل تو نہیں ہے۔''

انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلایا، پھر بولے:

''ہمارا پہلا اندازہ ہی درست لگتا ہے... ان کے بیان کے مطابق یہ بے چارے کسی بیگار کیمپ میں 35 سال سے قید تھے... وہاں سے یہ کسی طرح نکل آنے میں کامیاب ہو گئے ہے... یوں لگتا ہے... بچپن میں اغوا کر لیا گیا ہوگا... ان بیچاروں کو کیا معلوم یہ کون ہیں... ان کے ماں باپ کون ہیں... بچپن میں اغوا ہونے سے لے کر اب تک یہ تو وہیں رہے ہیں۔

''لیکن!'' فرزانہ نے زور دار انداز میں کہا۔

''لیکن کیا فرزانہ۔''

''لیکن انہیں کیسے پتا چلا کہ انہیں اغوا ہوئے 35 سال ہو گئے... ایسے بے چاروں کو جو بچپن میں ہی اغوا ہو جائیں کیا پتا ہوتا ہے کہ ان کی عمر کتنی ہے اور یہ کہ کتنے برس بیت گئے ہیں۔''

''ہاں بھئی... بتائیں... آپ نے یہ بات کیسے کہہ دی تھی کہ آپ نے 35 سال بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے... آپ کو کیسے معلوم

ہوا کہ وہاں آپ کو 35 سال گزر گئے۔''

''وہاں سب لوگوں کو ان کی عمریں معلوم ہوتی ہیں... یعنی وہاں کی عمر... دراصل وہاں لوگ رات کو جب تھکے ٹوٹے سونے کے لیے لیٹتے ہیں تو ایک دوسرے کو اپنی اپنی باتیں بتاتے ہیں... جو لوگ زیادہ بچپن میں اٹھائے گئے ہوتے ہیں، ان بے چاروں کو تو کچھ معلوم نہیں ہوتا... لیکن جو زیادہ عمر کے اٹھا کر لائے جاتے ہیں... مثلاً کوئی دس بارہ یا پندرہ سال کے بھی تو اٹھائے جاتے ہیں... سب کو اپنی کہانیاں سناتے ہیں... اپنے گھر والوں کے بارے میں... اپنے ماں باپ کے بارے میں بتاتے ہیں... اپنے شہروں یا اپنے گھروں کی باتیں بھی بتاتے ہیں... سب کی باتیں سب سنتے ہیں۔''

یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''لیکن ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں کیسے معلوم کہ وہاں 35 سال گزار چکے تھے۔''

''وہاں سب کو نام کے اور عمر کے ساتھ ہی پکارا جاتا ہے... مثلاً یہ کہا جاتا ہے 35 سالہ گڈو... کیونکہ گڈو تو بیس سالہ بھی ہو سکتا ہے... باپ کا نام وہاں نہیں بولا جاتا... اس طرح مجھے معلوم ہے... میں وہاں 35 سال گزار چکا ہوں۔''

'' تم صاف ستھری اردو بول لیتے ہو ... کیا وہاں سب لوگوں کو پڑھایا لکھایا بھی جاتا ہے ۔''

'' نہیں... بالکل نہیں... بول میں اس لیے لیتا ہوں کہ وہاں بہرحال پڑھے لکھے لوگ بھی اٹھا کر لائے جاتے ہیں ... ایسے لوگ دوسروں کو بولنا سکھاتے ہیں ... کسی حد تک لکھنا بھی سکھا دیتے ہیں... جسے شوق ہوتا ہے ... وہ سیکھ لیتا ہے ۔''

'' چلو ! یہ تو ہوگیا ... یہ بتاؤ تم وہاں سے نکلنے میں کیسے کامیاب ہو گئے ۔''

'' یہ... اچانک ہو گیا ... پہلے بھی وہاں سے کوئی نہ کوئی آدمی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے ... یہ خبریں بھی وہاں پھیل جاتی ہیں ... راتوں کو لوگ ایک دوسرے کو چپکے چپکے بتاتے ہیں... وہ بھاگ گیا ... بچ نکلا ۔''

'' اور تم ... تم کیسے بھاگ نکلے ۔''

'' پتھر توڑتے ہوئے شام ہوگئی تھی ... سورج ڈوبنے والا تھا... ایسے میں میرے پیٹ میں درد ہوا ... نگرانی کرنے والا نزدیک ہی تھا ... میں نے اسے بتایا ... میرے پیٹ میں درد ہے ... میں ذرا ایک طرف کو جا کر اپنی ضرورت پوری کر لوں ... اس نے اجازت دے

دی ... میں چٹان کے دوسری طرف اتر گیا ... اس طرف پتھر توڑنے کا وہ پہلا روز تھا ... یعنی ہم سب کو اس روز نئی جگہ لایا گیا تھا ... میں جو اس طرف اترا تو ایک جگہ جھاڑیاں نظر آئیں... جھاڑیوں کے پیچھے خالی جگہ محسوس ہوئی ... میں نے ہاتھوں سے ان کو ہٹایا تو اندر ایک کافی کھلی جگہ تھی ... لیکن باہر سے وہ نظر نہیں آتی تھی ... میں اس جگہ میں جا کر لیٹ گیا ... لیٹنے سے درد کم ہو گیا ... سکون محسوس ہوا ... بس جی چاہا ... لیٹا رہوں... دیکھا جائے گا ... دو چار کوڑے کھالوں گا ... نگرانی کرنے والے جہاں کسی کو ہاتھ روک کر آرام کرتے نظر آجاتے ہیں... تو وہ ان پر کوڑے برساتے ہیں... لیکن کام کرنے والے بھی نظر بچا کر ہاتھ روکتے رہتے ہیں، وہاں اس خالی جگہ میں لیٹتے ہی ایسا سکون سا آیا کہ میں سو گیا ، پھر مجھے تو کچھ پتا ہی نہ چلا ... تمام رات وہیں سویا رہا ... آنکھ کھلی تو دن کی روشنی پھیل رہی تھی ... میں بہت حیران ہوا کہ ان لوگوں نے مجھے آوازیں کیوں نہیں دیں ... یا انہیں پتا کیوں نہیں چلا کہ میں غائب ہوں ... لیکن انہیں پتا چلتا بھی کیسے ... وہاں کون سا رات کے وقت گنتی ہوتی ہے ... ہاں صبح کو ہوتی ہے ... انہوں نے بس یہی خیال کیا ہوگا کہ سب موجود ہیں ، کون کم ہے ... اب میں نے ادھر ادھر دیکھا ... دور دور تک کوئی نہیں تھا

... میں اسی طرف اترتا چلا گیا ... یعنی وہاں ہم سب کے کمرے چٹان کے دوسری طرف ہی تھے، جس طرف پتھر توڑے جاتے تھے ... اس طرف کوئی نہیں تھا ... نگرانی کرنے والے نظر نہیں آ رہے تھے ... اس وقت وہ بھی سو جاتے ہوں گے ... کیونکہ سب لوگ تو کمروں میں بند کر دیے جاتے ہیں ... اب تو میرے پیروں میں گویا پہیے لگ گئے ... میں اس قدر تیز دوڑا، بتا نہیں سکتا ... دوڑتا رہا ... دوڑتا رہا ... پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا ... یہاں تک کہ کئی گھنٹے تک دوڑنے کے بعد میں ایک سڑک پر آ گیا ... میرے پیروں سے خون بہہ رہا تھا ... لیکن اس کے بہنے کا پتا مجھے اس وقت چلا جب میں دوڑتے دوڑتے رک گیا ... لیکن مجھے اس خون کے بہنے کی ذرا بھی پروا نہیں تھی ... اس قدر خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ کسی تکلیف کا کوئی پتا نہیں تھا ... پھر سڑک آتی نظر آئی ... مجھ سے کھڑا نہ ہوا جا سکا ... ادھ موا سا بیٹھا ہوا تھا، کمر آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ آخر ایک ٹرک وہاں آ گیا ... ٹرک والے نے سمجھا کوئی بھکاری ہوں ... جو سڑک کے کنارے بیٹھا بھیک مانگ رہا ہوں ... اس نے میرے نزدیک آ کر ٹرک روک دیا اور سکہ میری طرف اچھالتے ہوئے بولا:

''یہ لو بابا۔''

میں نے اپنے پیر آگے کر دیے ... زخمی اور بہت موٹے ہو جانے والے پیروں کو دیکھ کر وہ چونک اٹھا ... اس نے اپنے ساتھ بیٹھے اپنے ساتھی سے کہا:

''یہ بے چارہ تو کسی بیگار کیمپ سے بھاگا ہوا لگتا ہے ... اسے ٹرک پر بٹھا لو۔''

''اچھا استاد۔''

اس نے کہا اور مجھے ٹرک کے پچھلے حصے میں بٹھا لیا ... ٹرک چل پڑا ... پھر ایک جگہ انہوں نے مجھے اتار دیا ... ٹرک والے نے کہا:

''بابا ... یہاں سے پوچھتے پچھاتے تم اپنے گھر پہنچ جاؤ۔''

ٹرک چلا گیا ... میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا ... کچھ لوگوں نے کچھ سکے بھکاری سمجھ کر دیے ... میں ان سے روٹی لے کر کھا لیتا ... اور آگے چل پڑتا۔ کس سے پوچھتا کیا ... مجھے تو کچھ معلوم ہی نہیں تھا ... میں کون ہوں ... میرا نام کیا ہے، کس شہر کا رہنے والا ہوں ... یا میرے ماں باپ کون ہیں ... کس سے پوچھتا ... بس یونہی بھٹکتا رہا ... رات کو کسی دکان کے چبوترے پر سو جاتا ... پھر مجھے نہیں معلوم ... اس طرح کتنے دن گزر گئے ... آخر پھر میں نے لوگوں کے گھروں کے دروازے پیٹنے شروع کر دیے ... لوگ بھکاری خیال کر کے سکے

دے دیتے ... اور دروازہ بند کر لیتے ... یا خالی ہاتھ لوٹا دیتے ... یہ کہہ کر ... جاؤ بابا ... معاف کرو ... اور میں نے آپ کے گھر کے دروازے پر دستک دے ڈالی ... ان بچوں نے دروازہ کھولا تھا تو میں نے ان سے کہہ دیا ... تھوڑی سی روٹی دے دو کھانے کے لیے ... انہوں نے مجھے سکے نہیں دیے، نہ خالی ہاتھ لوٹایا ... اندر لے آئے اور پھر ...''

یہ کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگا ... جب وہ رو چکے ... تو گویا دل کی بھڑاس نکل گئی ... سکون سا ہو گیا ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا:

''ظاہر ہے، اب تم کچھ بھی نہیں بتا سکتے ... نہ اس جگہ کا راستہ نہ کوئی نقشہ ... لیکن پھر بھی کچھ باتیں ایسی ہیں، جو تم بتا سکتے ہو ... فرزانہ!''

''جی ابا جان!''

''تم بھی اور محمود اور فاروق بھی ... ذرا عقلوں کو دوڑاؤ۔''

''جی ... کس طرف؟'' فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے گھورا ... پھر بولے:

''اس طرف کہ ہم گڈو سے کیا کچھ پوچھ سکتے ہیں ... کوئی

ایسا سوال جس سے ہم کوئی نتیجہ نکال سکیں۔''

''جی اچھا، ہم سوچنا شروع کرتے ہیں۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''اور میں بھی عقل لڑانا شروع کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے ابا جان!''

چاروں سوچ میں ڈوب گئے ... ساتھ میں انہوں نے کاغذ پر سوالات لکھنے شروع کر دیے ... اس دوران گڈو حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھتا رہا ... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں ... آخر پندرہ منٹ بعد انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

''بس سوچنے کا وقت ختم ... فرزانہ پہلے تم بتاؤ ... ہم گڈو سے کیا پوچھ سکتے ہیں۔''

''جی اچھا ... پہلے میں ان سے پوچھنا چاہتی ہوں ... کیمپ میں یعنی جہاں یہ لوگ قید تھے ... وہاں صرف نگرانی کرنے والے ہوتے تھے ... یا ان سب کا کوئی بڑا بھی آتا تھا۔''

''تم نے سنا گڈو ... فرزانہ نے تم سے کیا پوچھا ہے۔''

''جی ہاں ... میں ان کا سوال سمجھ گیا ... ہفتے میں ایک بار ان سب کا بڑا وہاں آتا تھا ... وہ ایک لمبی سی کار میں آتا تھا ... اس کے ساتھ کئی حفاظت کرنے والے بھی ہوتے تھے ... ان لوگوں کے پاس

عجیب و غریب رائفلیں ہوتی ہیں۔"

"وہ آ کر کیا کرتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"گھومتا پھرتا ہے اور نگرانوں سے باتیں کرتا ہے، سب لوگوں کو گھور گھور کر دیکھتا ہے، دھمکیاں دیتا ہے... تم لوگوں نے کام میں سستی دکھائی تو تمہیں گولیوں سے بھون ڈالا جائے گا، بس اس کے بعد وہ چلا جاتا ہے۔"

"فرزانہ... اور کوئی سوال۔"

"گڈو صاحب! اس شخص کی شکل صورت کیسی ہے۔"

"شکل صورت۔"

"ہاں! اس کا رنگ کیسا ہے... ناک نقشہ کیسا ہے... ہونٹ کیسے ہیں... آنکھیں کیسی ہیں... قد کیسا ہے... بال کیسے ہیں۔" فرزانہ نے اسے سمجھانے کے لیے الگ الگ باتیں بتائی، کیونکہ اس بے چارے کو کیا پتا تھا کہ حلیہ کسے کہتے ہیں۔

"وہ بہت زیادہ لمبا آدمی ہے... یہی کوئی ساڑھے چھ فٹ کے لگ بھگ... صحت مند... موٹا تازہ کہہ سکتے ہیں... اس کے بال سرخ سے رنگ کے ہیں... جسم بھی سرخ سا ہے... آنکھیں نیلی ہیں... ناک بہت پتلی سی... ہونٹ بھی باریک سے ہیں..."

وہ بتا رہا تھا اور ادھر وہ تینوں لکھ رہے تھے... حلیہ لکھ لینے کے بعد انسپکٹر جمشید نے کہا:

"محمود... تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"جس جگہ ٹرک والے نے گڈو کو اتارا... اس جگہ کے بارے میں یہ کچھ بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں! اچھا سوال ہے۔"

"مجھے یاد نہیں... اس جگہ کو میں ذہن میں نہیں رکھ سکا۔"

"خیر کوئی بات نہیں... ویسے ابا جان ایک بات ذہن میں آتی ہے... اس ٹرک والے کو تلاش کیا جا سکتا ہے... اخبارات میں اشتہارات دے کر اور انعام کا اعلان کر کے... انعام کے لالچ میں وہ ٹرک والا ضرور رابطہ کرے گا... اس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں... اس نے گڈو کو کہاں سے اٹھایا تھا... کیونکہ گڈو بہرحال وہاں تک دوڑتے دوڑتے پہنچا تھا... دن نکلنے کے بعد ان کا دوڑنا شروع ہوا تھا... گڈو... تم کب تک دوڑتے رہے تھے۔"

"جب تک سورج سر پر نہیں آ گیا تھا۔"

"یعنی دوپہر تک... ہم حساب لگا سکتے ہیں... گڈو کتنے گھنٹے تک دوڑتا رہا تھا... اتنے گھنٹے دوڑنے سے کتنا فاصلہ اس نے طے کیا

ہوگا، اتنا فاصلہ ہم وہاں سے ہر طرف طے کر کے دیکھ سکتے ہیں۔''
محمود جوش کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

''زبردست!'' انسپکٹر جمشید نے پُر جوش انداز میں کہا...

ایسے میں گڈو کے جسم کو ایک زبردست جھٹکا لگا:

☆☆☆

اعلان

ان سب نے گڈو کی طرف دیکھا...اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت نظر آ رہی تھی... اور وہ بڑی طرح بے چین ہو گیا تھا:

''کیا ہوا... خیر تو ہے۔''

''مجھے وہاں کے بڑے کی ایک بات یاد آ گئی ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے... وہ سرخی مائل انسان... جو ہفتے میں ایک بار وہاں آتا ہے۔''

''جی ہاں!''

''بہت خوب! بتاؤ پھر... کیا بات یاد آئی ہے۔''

''تمام قیدیوں کے درمیان گھومتے ہوئے وہ کسی کسی قیدی کے پاس رکتا ہے... اس کی ٹھوڑی کے نیچے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی رکھ کر اس کا چہرہ اوپر کرتا ہے اور کہتا ہے، کیا حال ہے بچو... بچو کہتے ہوئے وہ اسی انگلی سے ٹھوڑی پر دباؤ ڈال کر اسے پیچھے کی طرف دھکا

دیتا ہے ... اور وہ شخص کی قدم لڑکھڑا جاتا ہے... اس دوران وہ قیدی بُری طرح کانپ رہا ہوتا ہے ... لیکن بس وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہتا... کچھ نہیں کرتا ... اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔''

''کیا اس نے ایسا کبھی تمہارے ساتھ بھی کیا ہے۔''

''ہاں! اسی لیے تو یہ بات یاد آئی ہے۔''

''اوہ ... تو کیا وہ ہر بار ایسا کرتا ہے۔''

''ایسا وہ بس تین چار آدمیوں کے ساتھ کرتا ہے... ان میں سے ایک میں بھی ہوں ...''

''مطلب یہ کہ ہر بار وہ ان تین چار ہی کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔''

''ہاں ان چار کے علاوہ کسی کے ساتھ ایسا نہیں کرتا۔''

''یہ ایک بہت زبردست بات معلوم ہوئی ہے ... اس کیس میں یہ بات ضرور ہمارے کام آئے گی اور ہمیں آگے بڑھنے میں مدد دے گی ... ویسے ہم نے تم سے ایک بات اب تک نہیں پوچھی ... کیا تم بتا سکتے ہو اس جگہ کتنے لوگ قید ہیں... یعنی اندازے سے بتا دو۔''

''دو اڑھائی سو تو ضرور ہوں گے۔''

''ہوں... ایک منٹ ...''

یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کا نمبر ملایا ...اس کی آواز سنتے ہی انہوں نے کہا:

''اکرام ایک حلیہ نوٹ کرو۔''

''جی بہتر... فرمائیے۔''

انہوں نے اس بڑے یا باس کا وہ حلیہ لکھوادیا، جو گڈو نے بتایا تھا۔ اب انہوں نے ایک نمبر ملایا... سلسلہ ملنے پر انہوں نے کہا:

''السلام علیکم یوسفی میرے دوست۔''

''ہاں انسپکٹر جمشید صاحب... فرمائیے... کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''آج سے 36,35,34 سال پہلے اغوا ہونے والوں کی فہرست چاہیے۔''

''صرف ہمارے شہروں سے اغوا ہونے والوں کی یا پورے ملک سے اغوا ہونے والوں کی۔'' دوسری طرف سے یوسفی نے حیران ہو کر کہا۔

''پورے ملک سے اغوا ہونے والوں کی۔''

''یہ کام تو کافی بڑا ہے ... اور اس میں وقت لگ سکتا ہے... ہاں صرف اس شہر کے نام درکار ہوں تو دو گھنٹے تک دے سکتا ہوں۔''

''صرف نام نہیں ... اغوا ہونے والوں کی تصاویر بھی چاہئیں ... اچھا ایسا کرتے ہیں ، پہلے صرف ہمارے شہر کی لسٹ دے دو ... پورے ملک کی بعد میں لے لیں گے ۔''

''اچھی بات ہے ... دو گھنٹے بعد آپ کے پاس پہنچ جائے گی ۔''

''شکریہ ۔'' انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا ۔

''یہ کون صاحب ہیں ابا جان !''

''اخبارات کے شعبۂ تحقیق کے ایک سینئر افسر ۔'' وہ مسکرائے ۔

''اوہ اچھا ۔''

''ایک اور بھی تو ترکیب کی جا سکتی ہے ابا جان ۔'' فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہا ۔

''ہاں کہو ۔''

''ہمارے ملک میں پتھر کہاں کہاں سے لائے جاتے ہیں ... آخر وہ لوگ جو پتھر تڑواتے ہیں ... تو وہ پتھر ہمارے ملک میں سڑکیں بنانے کے لیے تو استعمال ہوتے ہیں ناں ۔'' فرزانہ نے جلدی جلدی کہا ۔

انہوں نے فرزانہ کے چہرے پر نظریں جما دیں ... پھر انسپکٹر جمشید

کی آواز ابھری :

''پورے ملک میں سڑکیں بنانے کے لیے پتھر کہاں کہاں توڑے جاتے ہیں ... یہ بات معلوم کرنا ہوگی ... ایسی جگہوں کا پتا بھی ہم چلا لیں گے ... اور ان جگہوں کا معائنہ بھی کریں گے ... لیکن ظاہر ہے ، یہ کام کرنے والوں نے اپنی بچت کا سامان کر رکھا ہوگا ... یہ جگہیں ضرور ایسی جگہیں ہیں ... جہاں پہنچنا آسان نہیں ہو سکتا ... لیکن اس کے باوجود یہ بات بھی اس کیس کے سلسلے میں کام کی ہے ... اور ہم یہ بھی کریں گے ۔''

''لیکن ۔'' مارے حیرت کے گڈو کے منہ سے نکلا ۔

''ہاں گڈو صاحب ... کیا کہنا چاہتے ہو ۔''

''آپ کون ہیں ... آپ یہ سب کیوں کریں گے ... کس لیے کریں گے ... کیا آپ کوئی سرکاری آدمی ہیں ۔''

''ہاں ! ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے ۔''

''اوہ ! تب تو یہ عجیب بات ہو گئی ... میں آپ کے پاس پہنچ گیا ... ورنہ مجھے تو کسی نے گھاس تک نہیں ڈالی تھی ... بس لوگ مجھے بھکاری یا پاگل خیال کرتے تھے ۔''

''ایک سوال اور ۔'' انسپکٹر جمشید نے اسے گھورتے ہوئے کہا ۔

''جی پوچھیں ... لیکن آپ مجھے اس طرح گھور کیوں رہے ہیں... اس طرح تو مجھے وہ گھورا کرتا ہے ... یعنی وہ بڑا۔''

''اوہ معاف کرنا ... مجھے تمہیں اس طرح نہیں گھورنا چاہیے تھا ... ابھی تم نے یہ تو بتا دیا کہ وہاں کچھ پڑھے لکھے قیدی بھی تھے جو دوسروں کو بولنا، پڑھنا اور لکھنا سکھاتے ہیں ... لیکن کیا تم اس شخص کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو جس نے تم کو اردو سکھائی۔''

''ہاں ضرور! وہاں ایک کمرے میں تقریباً دس دس آدمیوں کو سلایا جاتا ہے... فرش پر دریاں بچھی ہوتی ہیں... ہم ان دریوں پر ساتھ ساتھ لیٹتے ہیں... یہی کوئی دو تین سال سے میرے ساتھ والے بستر پر جو نوجوان سوتا رہا ہے ... وہ پڑھا لکھا ہے ... اسے بیس سال کی عمر میں قید کیا گیا تھا ... اس نے مجھے اس طرح بولنا سکھایا ... باہر کی دنیا کے حالات سنائے ... ویسے اس کیمپ میں اور بھی کئی نوجوان ہیں... مجھے اس کے بولنے کا انداز اچھا لگتا تھا...اس لیے میں نے اس کا انداز اختیار کر لیا۔''

''یہ ایک اور اچھی بات ہو گئی ... تمہیں تو بالکل چھوٹی عمر میں اغوا کر لیا گیا تھا، اس لیے تم اپنے گھر والوں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے ... لیکن اس نوجوان نے اپنے گھر والوں کے بارے میں اور

شہر کے بارے میں بتایا ہوگا ... وہ ہمیں بتاؤ۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے سے بے قراری جھلکنے لگی۔

''اوہ ہاں! اس کے بارے میں میں بتا سکتا ہوں ...اس کا نام عرفان تاجی ہے۔''

''وہ کس شہر کا ہے ... اس نے اپنے والد کا نام کیا بتایا تھا۔''

''اس نے بتایا تھا ... وہ دارالحکومت کا رہنے والا ہے ... اس کے والد بہت بڑے کاروباری ہیں ... ان کا نام سیٹھ شوکت تاجی ہے ... وہ کون سے علاقے میں رہتا تھا ... یہ مجھے نہیں یاد کہ اس نے بتایا تھا یا نہیں۔''

''یہ ہم معلوم کر لیں گے ... یہ دارالحکومت ہی ہے۔''

''اوہ ... اچھا۔'' وہ چونکا۔

اب انہوں نے پھر اکرام کو فون کیا:

''اکرام ... شہر کے تھانوں سے پوچھو ... کہ سیٹھ شوکت تاجی کا بیٹا کب اور کہاں سے اغوا ہوا تھا ... شوکت تاجی کہاں رہتے ہیں ... صرف معلومات حاصل کر کے مجھے بتانا... شوکت تاجی سے کوئی بات نہ کی جائے۔''

''بہت بہتر سر۔'' اکرام نے کہا۔

'' میں بھی ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں ... '' محمود نے سوچ میں گم انداز میں کہا۔

'' اور تمہیں روکا کس نے ہے۔'' فاروق نے جھلا کر کہا۔

'' کسی نے نہیں ... کاٹ کھانے کو نہ دوڑو... ہاں تو گڈو میاں! کیا اس کیمپ میں کچھ لوگوں کو فارغ بھی کیا جاتا ہے ... یعنی وہاں سے ان کے گھروں کو بھی پہنچایا جاتا ہے۔''

'' اوہ ہاں! ایسا بھی ہوتا ہے ... یہ بات تو عرفان تاجی نے بھی بتائی تھی۔''

'' کیا مطلب ... کیا بتایا تھا اس نے۔''

'' یہ کہ جونہی یہ لوگ میرے والدین سے رابطہ کریں گے ... اور رقم کا مطالبہ کریں گے ... وہ ان کا مطالبہ پورا کر دیں گے تو میں کیمپ سے چلا جاؤں گا۔''

'' تب پھر ... کیا ایسا نہیں ہوا۔''

'' جی ہاں! ایسا نہیں ہو سکا اور اسی بات پر عرفان تاجی بہت حیران رہتا ہے اور بہت اداس ... راتوں کو گھٹ گھٹ کر روتا ہے۔''

'' تب پھر ان لوگوں نے عرفان تاجی کو اس کے باپ سے دولت حاصل کرنے کے لیے اغوا نہیں کیا ہوگا۔'' انسپکٹر جمشید نے

کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

'' پھر کس لیے کیا ہوگا۔''

'' یہ تو ہم اب دیکھیں گے ... سیٹھ شوکت تاجی کا پتا تو اب چلنے ہی والا ہے ... اور ہم اس کیس میں پہلا کام یہی کریں گے ... یعنی اس سے جا کر ملیں گے۔''

'' اوہ ... اوہ۔'' گڈو کے منہ سے نکلا۔

عین اس لمحے موبائل کی گھنٹی بجی ... انہوں نے دیکھا، فون اکرام کا تھا:

'' شاید شوکت تاجی کا پتا مل گیا ... '' یہ کہتے ہی انہوں نے موبائل آن کر لیا ... دوسری طرف سے اکرام کی آواز سنائی دی:

'' سر! سیٹھ شوکت تاجی کا پتا چل گیا ہے ... قومی اسمبلی کے ممبر ہیں ... ماڈل کالونی میں رہتے ہیں۔''

'' انہیں فون کرو ... میں ان سے ان کے بیٹے کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں۔''

'' جی اچھا۔''

تھوڑی دیر بعد اکرام نے بتایا ... سیٹھ شوکت ان کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔

"آؤ بھی چلیں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اور گڈو۔"

"اوہ! گڈو کی حفاظت کا بھی مسئلہ ہے... خیر... ٹھہرو۔"

انہوں نے پھر اکرام کو فون کیا... اور ہدایات دیں... جلد ہی وہ اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا:

"اکرام یہ گڈو ہے... 35 سال پہلے اس بے چارے کو اغوا کیا گیا تھا... اتنی مدت وہاں گزارنے کے بعد آخر وہاں سے بھاگ نکلنے کا موقع اس غریب کو ہاتھ آ ہی گیا... اس کی داستان بہت طویل ہے... تم بیٹھ کر اس سے سن لو... شاید یہ کوئی ایسی بات بتا سکے جو ہمیں نہیں بتا سکا... تم ساتھ ساتھ نوٹ کرتے رہو... ہم شوکت تاجی صاحب سے ملنے جا رہے ہیں۔"

"جی بہتر... ان کا بیٹا بھی اغوا ہوا تھا... پتا نہیں کیوں... تاجی صاحب اپنے بیٹے کو چھڑا نہیں سکے... دولت کی تو ان کے پاس کوئی کمی نہیں۔"

"یہی معلوم کرنے ہم جا رہے ہیں... اچھا اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اکرام اور ان کے ماتحتوں کے ساتھ گڈو کے بھی منہ سے نکلا۔

وہ اپنی کار میں ماڈل کالونی پہنچے... سیٹھ شوکت کی کوٹھی محل نما تھی... اور بہت طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھی... شاید ماڈل کالونی میں اس سے بڑی کوٹھی کوئی اور نہیں تھی... باہر چند ملازم پہلے ہی ان کا انتظار کر رہے تھے... وہ بے تابانہ ان کی طرف لپکے:

"آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"جی ہاں!"

"آئیے... صاحب آپ کا بے تابانہ انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ ان کے ساتھ اندر داخل ہوئے... سیٹھ شوکت تاجی اپنے شاندار لان میں تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیگم بھی تھیں... دونوں تیزی سے اٹھے:

"آئیے آئیے... انسپکٹر صاحب... کیا آپ کو میرے بیٹے کے بارے میں کوئی خبر ملی ہے... ویسے میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے... میں نے اپنے بیٹے کے سلسلے میں آپ سے رابطہ ہی نہیں کیا۔"

"اب ضرور میرا بیٹا مل جائے گا..." بیگم بول اٹھیں۔

"انشاء اللہ! ہمیں تو آپ کے بیٹے کے بارے میں معلوم ہی نہیں تھا... اخبارات میں خبریں تو شائع ہوئی ہوں گی... لیکن شاید ان دنوں ہم ملک میں نہیں ہوں گے۔"

''جی ضرور یہی بات ہو گی ... آیئے ... بیٹھیے ... اور بتائیں ... آپ کو کیا اطلاع ملی ہے۔''

''جی میں بتاتا ہوں ... آپ تشریف رکھیں۔'' انہوں نے ان دونوں سے کہا۔

اتنی دیر میں وہ ان دونوں کا جائزہ لے چکے تھے ... دونوں ادھیڑ عمر کے اچھی صحت کے مالک تھے ... البتہ بیٹے کی وجہ سے چہروں پر مردنی دوڑی ہوئی تھی:

''آپ کا بیٹا ایک بیگار کیمپ میں ہے۔''

''ب ... بیگار کیمپ میں ... ن ... نہیں۔'' دونوں بری طرح چلا اٹھے۔

''جی ہاں! اس بیگار کیمپ سے ایک شخص فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے ... اللہ کی قدرت کہ وہ ہم تک پہنچ گیا ... کیمپ کی ساری کہانی سنی تو اس میں آپ کے بیٹے کا ذکر بھی آیا ...''

''اوہ ... اوہ ...'' وہ بے چین ہو گئے۔ پھر بولے:

''بھلا ان لوگوں کو ... میرا مطلب ہے ... اغوا کرنے والوں کو ... میرے بیٹے کو بیگار کیمپ میں رکھ کر کیا ملے گا ... وہ مجھ سے دولت کا مطالبہ کرتے ... میں اپنا سب کچھ ان لوگوں کو دے دیتا ... اور ان کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہ کرتا۔''

''کیا ان لوگوں نے آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔''

''نہیں ... یہی تو اصل مسئلہ ہے ... جونہی وہ کوئی مطالبہ کرتے ... ہم فوراً ادا کر دیتے۔''

''اور آپ کے بیٹے کو اغوا ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔''

''دو ... دو سال ...'' ان دونوں نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ انسپکٹر جمشید گہری سوچ میں ڈوب گئے ... آخر انہوں نے پوچھا: ''آپ کی کسی سے دشمنی ہے۔''

''دشمنی۔'' انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''میں سیاسی آدمی ہوں ... الیکشن لڑتا ہوں ... عام طور پر میں کامیاب ہو جاتا ہوں اور میرے مخالف ہار جاتے ہیں ... ان لوگوں کو اگر مجھ سے دشمنی ہو تو ہو ... ورنہ تو کوئی میرا دشمن نہیں۔''

''آپ کے مقابلے میں ہارنے والا سب سے اہم آدمی کون ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔

''نواز جگر ہے ... فہیم گواتی ہے ... کئی لوگ ہیں۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

''اوہ!''

'' آپ نے یہ بات بتا کر ہمیں نئی زندگی دی ہے ... اتنا تو معلوم ہوا کہ ہمارا بیٹا زندہ ہے ... کہاں ہے ، وہ نوجوان ... کیا ہم اس سے مل سکتے ہیں ... ہم اس سے مل کر اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں ۔''

'' وہ ہماری حفاظت میں ہے ... اسے یہاں بلوایا جا سکتا ہے ۔''

'' نہیں اسے نہ بلوائیں ... ہمیں اس کے پاس لے چلیں ۔''

'' اچھی بات ہے ... کیا آپ ابھی ملنا پسند کریں گے ۔''

'' ابھی اور اسی وقت ۔'' یہ کہتے ہوئے سیٹھ شوکت اٹھ کھڑے ہوئے ... ان کے ساتھ ہی ان کی بیگم بھی اچھل کر کھڑی ہو گئیں ... سیٹھ صاحب چلائے :

'' عدیل خان ... گاڑی ۔''

'' تیار ہے سر ۔''

وہ بلا کی رفتار سے گاڑی میں بیٹھ گئے :

'' ہم اپنی گاڑی پر ...''

'' نہیں ... اسی پر بیٹھ جائیں ... آپ کی گاڑی میرا دوسرا ڈرائیور لے آئے گا ۔''

'' جی اچھا ۔''

'' عدیل خان ۔''

'' یس سر ۔'' ڈرائیور نے فوراً کہا ۔

'' احسان بھائی سے کہو ... انسپکٹر صاحب کی گاڑی ہمارے پیچھے پیچھے لے آئیں ۔''

'' بہت بہتر سر ۔'' عدیل خان نے کہا اور ایک سمت میں لپک گیا ... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے گاڑی چلا دی ... انہوں نے اپنی گاڑی کو پیچھے آتے دیکھا ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا:

'' آپ کو وہ تاریخ یاد ہے ... جس میں آپ کے بیٹے عرفان کو اغوا کیا گیا تھا ۔''

'' دل پر لکھی ہے ... 9 جولائی ... آج سے دو سال پہلے ... اس شخص نے میرے بیٹے کے بارے میں اور کیا بتایا ہے ۔'' بیگم شوکت نے بے قراری کے عالم میں کہا ۔

'' وہ بہت سی باتیں بتاتا ہے ... ظاہر ہے ... دو سال سے وہ ایک کمرے میں سو رہے ہیں اور سوتے وقت جب تک ایسے لوگوں کو نیند نہیں آتی ہے ... اپنے گھروں کی باتیں ہی کرتے ہیں ۔''

'' یا اللہ رحم ۔'' بیگم شوکت رو پڑیں ۔

''بیگم ... بیگم ... خود پر قابو رکھو ... یہ لوگ ... کیا خیال کریں گے۔'' سیٹھ شوکت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں ... ہم کچھ خیال نہیں کریں گے ... ہمیں آپ کے دکھ کا احساس ہے۔'' انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

''آپ ...آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔'' بیگم شوکت بول اٹھیں۔

''اور کیا یہ بات پکی ہے سیٹھ صاحب ... کہ اغوا کرنے والوں نے آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔''

''بالکل نہیں۔''

''حیرت ہے ... کمال ہے ...'' وہ بڑبڑائے۔

''کیوں! کیا آپ کے خیال میں انہیں مطالبہ ضرور کرنا چاہیے تھا۔''

''بالکل... ورنہ پھر اتنے دولت مند شخص کے بیٹے کو اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی ... وہاں تو پتھر تڑوائے جاتے ہیں اور پتھر توڑنے کے لیے بڑے کٹے مزدور ٹائپ طاقتور آدمی زیادہ مناسب رہتے ہیں ... ناز و نعم میں پلے ہوئے بچے کہاں ایسی محنت مشقت کر پاتے ہیں۔''

''ہاں! یہی بات ہے ... کیا آپ ... آپ اس کیمپ کا پتا چلا

ہیں گے۔''

''یہ تو اللہ کو پتا ہے... وہاں سے وہ نوجوان فرار ہو کر ہم تک نہ پہنچ جاتا تو ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا... لیکن اپنی کوشش ہم کریں گے ... آپ مطمئن رہیں... کیونکہ اس نوجوان کے گھر والوں کا بھی تو پتا چلانا ہے...''

''ہوں...'' ان کے منہ سے نکلا۔

پھر وہ گھر پہنچ گئے... انہوں نے دونوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور گڈو کو وہیں لے آئے:

''یہ ہے وہ... اس کا نام گڈو ہے... اور گڈو... یہ عرفان کے والدین ہیں۔''

''اوہ۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''آپ... آپ ہمیں ہمارے بیٹے کے بارے میں بتائیں ... کیسا ہے وہ... ٹھیک تو ہے ... وہ لوگ اسے مارتے پیٹتے تو نہیں ... پتھر تڑواتے ہیں... وہ ہمارے لخت جگر ہے۔'' یہ کہتے ہوئے بیگم شوکت زور زور سے رونے لگیں ... فضا حد درجے سوگوار ہو گئی تھی... آخر انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری ... ان کی آواز میں ٹھہراؤ تھا... ایک تلخی تھی... ایک عزم تھا:

''سیٹھ صاحب اور بیگم صاحبہ ... آپ دونوں اطمینان رکھیں... یقین کریں... اب جو بھی ہو ہم آپ کے بیٹے کو واپس لائیں گے ... وہ کیمپ چاہے کہیں بھی ہو... ہم وہاں ضرور پہنچیں گے انشاء اللہ!''

نہ جانے ان الفاظ میں کیا تھا... وہ یک دم روتے روتے رک گئے اور خالی خالی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھنے لگے ...

''ویسے آپ اپنے بیٹے کی واپسی کے لیے کیا کچھ قربانی دے سکتے ہیں۔''

''کیا کہا... قربانی... ہم تو ترس رہے ہیں... وہ کوئی مطالبہ تو کریں... ہم سے ہماری ساری دولت لے لیں... اور بھی وہ جو کہیں...ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔''

''کیا واقعی۔'' انہوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''کیا مطلب ... کیا آپ سمجھتے ہیں... ہم اپنے بیٹے کے لیے کوئی قربانی نہیں دے سکتے۔'' سیٹھ صاحب کا انداز شکایت آمیز تھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' انسپکٹر جمشید حد درجے سنجیدہ لہجے میں بولے۔

''تب پھر... ؟'' سیٹھ شوکت بولے۔

''فرض کیا... آپ کو یہ قومی اسمبلی کی سیٹ چھوڑنے کے لیے

کہا جائے اور بدلے میں کہا جائے کہ آپ کے بیٹے کو چھوڑ دیا جائے گا... تو آپ چھوڑ دیں گے۔''

''چھوڑ دوں گا... میرا بیٹا مل جائے مجھے اور کیا چاہیے۔''

''اور اگر آپ سے کہا جائے ... کہ آپ آیندہ ملکی سیاست میں حصہ ہی نہیں لیں گے تو کیا آپ یہ بھی کریں گے۔''

''بالکل یہی کروں گا... سیاست میں بھی حصہ نہیں لوں گا... بالکل کنارہ کش ہو جاؤں گا... لیکن یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... بھلا کوئی ایسا کیوں چاہے گا۔''

''میں ایک خاص نقطے پر سوچ رہا ہوں... آپ مہربانی فرما کر میری مدد کریں۔''

''آپ... ہم سے کیا چاہتے ہیں۔''

''میں آپ کو چند سطریں لکھ کر دیتا ہوں... آپ اپنے گھر پر ایک پریس کانفرنس بلائیں... اور وہ سطریں ان سب کے سامنے پڑھ دیں... اس کے بعد چند دن تک انتظار فرمائیں۔''

''ہم سمجھے نہیں... پتا نہیں آپ کے ذہن میں کیا ہے۔''

''میں بعد میں بتاؤں گا... آپ اگر اپنے بیٹے کی واپسی چاہتے ہیں... تو جو میں کہتا ہوں... وہ کریں۔''

''اچھی بات ہے ... بتائیں ... مجھے کیا کرنا ہے۔''

انہوں نے ایک کاغذ لیا اور اس پر لکھنے لگے ... پھر بولے:

''پریس کانفرنس میں میڈیا نمائندوں کے سامنے یہ سطریں پڑھ دیں ...''

''آپ ... آپ کا شکریہ ... بہت بہت شکریہ ... لیکن میرا خیال ہے ... میڈیا کے نمائندوں کے سامنے یہ سطریں پڑھنے سے میرا بیٹا واپس نہیں آئے گا۔''

''کوئی پروا نہیں۔''

''اوہ اچھا۔''

ڈرائنگ روم میں چائے اور دوسرے لوازمات رکھ کر وہ لوگ باہر آ گئے ... تاکہ وہ دونوں گڈو سے خوب جی بھر کر بغیر جھجک کے سوالات کر سکیں ... ایک گھنٹے تک باتیں کرنے کے بعد آخر سیٹھ شوکت ان سے رخصت ہو گئے۔

اسی شام ٹی وی چینلوں پر یہ اعلان نشر ہونے لگا:

''قومی اسمبلی کے ممبر سیٹھ شوکت تاجی نے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر ان کا گمشدہ بیٹا مل جاتا ہے تو وہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے اور قومی اسمبلی کی سیٹ اور سیاست سے الگ ہو جائیں گے

اور گوشہ نشینی کی زندگی گزاریں گے۔''

یہ خبریں سن کر انہوں نے اپنے والد کی طرف دیکھا:

''کیا ان کا بیٹا اس طرح واپس آ جائے گا۔''

''سیاست کی دنیا میں بہت عجیب ہتھکنڈے اختیار کیے جاتے ہیں ... یہ ایک تدبیر ہے جو میرے ذہن میں آئی ہے ... ہو سکتا ہے ... یہ تدبیر بالکل بیکار جائے، اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلے ... تو نہ نکلے ... کوئی بات نہیں ... ہمیں یوں بھی کیمپ کی تلاش میں نکلنا ہے۔''

''کک ... کیمپ کی تلاش میں۔'' فاروق نے حیرت سے کہا۔

''کیوں کیا ہوا ... ہم کیمپ کی تلاش میں نہیں جا سکتے ...'' محمود نے اسے گھورا۔

''کیوں نہیں جا سکتے ... ضرور جا سکتے ہیں ... میرا مطلب تھا ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

عین اسی وقت ان کے موبائل کی گھنٹی بجی ... وہ یہ دیکھ کر چونک اٹھے کہ فون سیٹھ شوکت تاجی کا تھا:

☆☆☆

کیس کا اونٹ

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... پھر جلدی سے موبائل آن کر لیا ...

دوسری طرف سیٹھ شوکت تاجی کہہ رہے تھے: ''حیرت انگیز۔'' ان کے لہجے میں بے پناہ جوش ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''کیا حیرت انگیز سیٹھ صاحب۔'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''آپ کی ترکیب۔''

''کیا ہوا؟'' وہ فوراً بولے۔

''ایک گمنام فون ملا ہے ... مجھ سے کہا گیا ہے ... کہ اگر آپ سیاست سے الگ ہو جاتے ہیں ... اور قومی اسمبلی کی سیٹ چھوڑ دیتے ہیں تو آپ کے بیٹے کو ایک اور شرط پر چھوڑا جا سکتا ہے۔''

''اور ایک اور شرط کیا بتائی انہوں نے۔'' وہ بے تابانہ بولے۔

''کہتے ہیں ... اپنی ساری دولت اور یہ کوٹھی ... اپنے بھتیجے

بیٹے کو دے کر یہاں سے رخصت ہو جائیں ... یعنی پھر چاہے کہیں بھی رہیں ... یہ کوٹھی بہر حال خالی کرنا ہوگی اور دولت بھی ساری اپنے بھتیجے کو دینا ہوگی۔''

''اوہ ... اوہ۔'' مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے ... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔''

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے ... ہم دونوں سب چھوڑ رہے ہیں۔''

''اوہ ... اوہ ... یہ ... یہ تو بہت مہنگا سودا منظور کیا آپ نے ... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ سیٹ اور سیاست چھڑانے کے علاوہ یہ بھی کہیں گے ... لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''آپ پریشان نہ ہوں ... یہ سب کچھ ہمارے بیٹے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔'' یہ کہتے ہی انہوں نے فون بند کر دیا ... وہ سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے۔

''اُف مالک ...'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''کیا آپ کو ترکیب بتانے پر افسوس ہو رہا ہے۔''

''نہیں ... میں سوچ رہا ہوں ... میرا اندازہ درست نکلا۔''

"اور آپ نے کیا اندازہ لگایا تھا۔"

"سوچا تھا... آخر اغوا کرنے والوں نے سیٹھ شوکت سے کوئی مطالبہ کیوں نہیں کیا... انہیں تو بڑی رقم کا مطالبہ کرنا چاہیے تھا... دیکھو نا... وہاں غریب لوگوں کے بچے بھی ہیں... اور امیروں کے بھی... غریبوں کو تو پتھر تڑوانے کے لیے اغوا کیا جاتا ہے، لیکن امیروں کے بچے اغوا کرنے کا مقصد تو دولت حاصل کرنا ہی ہو سکتا ہے... تو پھر انہوں نے سیٹھ شوکت سے کوئی مطالبہ کیوں نہیں کیا... اس کا مطلب ہے... کوئی دشمنی کا چکر ہے یا پھر سیٹھ شوکت کو ایسی پریشانیوں میں مبتلا کرنا کہ وہ آیندہ الیکشن لڑنے کے قابل نہ رہ سکیں... اور اس سلسلے میں نام سامنے آتا ہے... نواز جھگڑ کا... وہ الیکشن میں سیٹھ شوکت سے ہار جاتا ہے... اگر یہ درمیان سے نکل جائیں تو اس کی جیت کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں... یہی سوچ کر میں نے ان الفاظ والا اعلان تو نہ کرایا... کیونکہ اعلان سے تو نواز جھگڑ چونک جاتا... کہ یہ ضرور اس کے خلاف چال ہے... لہٰذا میں نے ان سے دعا کے الفاظ کہلوائے... تاکہ معلوم ہو اللہ تعالیٰ نے سیٹھ صاحب کی دعا سن کر قبول کر لی... لیکن یہاں معاملہ ایک اور نکل آیا... اغوا کرنے والوں کا مطالبہ ہے کہ سیٹھ صاحب اپنی ساری دولت

اپنے بھتیجے کو دے دیں... تو کیا یہ سارا چکر بھتیجے کا چلایا ہوا ہے... یعنی اغوا کرنے والوں سے اس نے خود رابطہ کیا تھا اور انہیں بڑی رقم دے کر عرفان تاجی کو اغوا کرنے کا کام سونپا تھا... ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ اس سلسلے میں کوئی عملی قدم اٹھائیں گے... کہیں عرفان تاجی کی واپسی کا مسئلہ کھٹائی میں نہ پڑ جائے۔"

"لیکن کیا بھتیجا اتنا بیوقوف ہے کہ اس طرح کا مطالبہ پیش کر دے جس سے شک فوراً اسی پر جائے..." فرزانہ نے فوراً کہا۔

"مطلب یہ کہ ابھی ہمیں تیل دیکھنا ہے... تیل کی دھار دیکھنی ہے۔" محمود نے کہا۔

"اسے کہتے ہیں، آ محاورے مجھے مار۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کہتے ہوں گے... تم کیوں جلے جا رہے ہو۔" محمود نے اسے گھورا۔

"جلتا ہے... میرا جوتا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"یہ تو اس نے درست کہا۔" فرزانہ ہنسی۔

"کیا درست کہا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"یہ کہ جلتا ہے اس کا جوتا۔" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔

"اور اب رہ گیا گڈو... گڈو کے لیے تو ہمیں کیمپ کی تلاش

میں نکلنا ہی ہوگا ... لیکن ہم یہ کام بھی عرفان تاجی کے آنے پر ہی کریں گے۔''

''خیر ... ابھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ آجائے گا۔''

''چند دن تک بات سامنے آجائے گی۔''

اور پھر تین دن بعد سیٹھ شوکت تاجی کا فون آگیا ... انہوں نے اسکرین پر نام دیکھتے ہی بٹن دبا دیا ... دوسری طرف سیٹھ صاحب کہہ رہے تھے: ''مم میں ... میں آرہا ہوں ... آپ گھر میں ہی ہیں نا۔'' ان کی آواز میں جوش تھا، کپکپی تھی ... اور خوشی تھی۔

''جی ہاں! ہم گھر پر ہی ہیں۔''

''بس میں آرہا ہوں۔''

''جی اچھا ... ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا ... انہیں پچیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا ... تب کہیں جا کر دروازے کی گھنٹی بجی:

''میں دیکھتا ہوں ... تم ٹھہرو۔'' انہوں نے تینوں سے کہا ... گڈو اس وقت مہمان خانے میں تھا ... انہوں نے فی الحال اسے اپنے ہاں ہی ٹھہرایا ہوا تھا۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو باہر سیٹھ شوکت قاضی کھڑے نظر آئے ... ان کے ساتھ ان کی بیگم بھی تھیں اور ایک نوجوان

تھا ... ان کی نظریں نوجوان پر جم گئیں۔ فوراً ہی انہوں نے کہا:

''اوہ! اگر میرا اندازہ درست ہے تو عرفان صاحب آگئے۔''

''ہاں! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔''

''ارے مم ... مگر آپ آئے کس چیز پر۔'' انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا، کیونکہ وہاں کوئی کار نظر نہیں آئی تھی۔

''ہم رکشے پر آئے ہیں۔''

''رکشے پر ... کیا مطلب ... آپ اپنی کار پر نہیں آئے۔''

''جی نہیں ... اب وہ کار میری نہیں رہی۔''

''کیا مطلب ... مم ... مگر نہیں، آپ پہلے تو اندر آئیں نا۔''

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئے ... محمود اور فاروق نے ان دونوں سے ہاتھ ملائے ... فرزانہ ان کی بیگم سے ملی۔

پھر وہ سب بیٹھ گئے ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا:

''ہاں تو ... سیٹھ صاحب ... آپ کی کار کہاں ہے۔''

''کار، کوٹھی ... بینک بیلنس ... سب اپنے بھتیجے کو دے آیا ہوں ... طے جو بھی ہوا تھا۔''

''اوہ! اور آپ کے بھائی کے بیٹے نے سب چیزیں لے لیں ... آپ کے پاس کچھ بھی نہیں رہنے دیا۔''

"اس نے نہیں... اغوا کرنے والوں نے ... شرط تو اس نے لگائی تھی... اب اگر میں اپنے پاس کار یا کوئی اور چیز رکھتا تو وہ میرے بچے کو نہ بھیجتے... انہوں نے یہی کہا تھا:

"سیٹھ شوکت ... تمہیں ہر چیز چھوڑنا پڑے گی ... یہاں تک کہ کرائے پر مکان لینا پڑے گا۔"

"اور اس لئے آپ کرائے کے مکان پر چلے گئے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! کرائے کا مکان تلاش کرنا میرے لیے مسئلہ تھا... زندگی میں کبھی کرائے کے مکانوں سے واسطہ جو نہیں پڑا... اس لیے میں نے اپنے بھتیجے سے درخواست کی ... کہ کرائے کا ایک مکان میرے مکانات میں سے کرائے پر دے دو... اس نے دے دیا... کیونکہ اس پر اغوا کرنے والوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔"

"کیا مطلب ... آپ نے کرائے پر دینے کے لیے مکانات بنائے ہوئے تھے۔"

"مکانات نہیں ... میں نے تو پوری ایک کالونی بنائی ہوئی تھی ... لوگوں کو کرایوں پر دینے کے لیے... بہت کم کرایوں پر دے رکھے تھے... لیکن ان میں سے چند خالی پڑے تھے... دراصل وہ شہر کے

ایک سرے پر بنائے گئے ہیں ... شہر میں رہنے والوں کو وہ جگہ کافی دور نظر آتی ہے... اس لیے جن لوگوں کو وہاں کرایہ پر مکان لینا مشکل نہیں لگتا وہ لے لیتے ہیں ... خیر ... کہنے کا مطلب یہ کہ میں اپنے ہی بنائے ہوئے کرائے کے مکانات میں سے ایک میں چلا گیا ہوں ... اغوا کرنے والوں نے یہ بھی کہا تھا ... کرائے کے مکان میں خالی ہاتھ جانا ہوگا ... بس چند ہزار روپے آپ کے پاس ہونے چاہئیں ... سو میں اپنی بیگم اور بیٹے کو لے کر وہاں چلا گیا ... اور انسپکٹر جمشید صاحب... سچ تو یہ ہے ... میں ... میں بہت ... ہاں... میں بہت زیادہ خوش ہوں ... بہت زیادہ ..." یہ کہہ کر وہ رونے لگے ... ان کے ساتھ ان کا بیٹا بھی رونے لگا۔

ایسے میں انہیں خیال آیا... انہوں نے گڈو کو تو بلایا ہی نہیں تھا ... اس وقت جو یہاں عرفان تاجی موجود تھا ... اس کا سبب تو گڈو ہی بنا تھا ... اور پھر دونوں ایک دوسرے سے مل کر کس قدر خوش ہوں گے:

"محمود... گڈو کو لے آؤ۔"

"جی اچھا۔"

وہ گیا اور گڈو کو لے آیا ... ابھی اس نے اسے کچھ بتایا نہیں

تھا... جونہی وہ اندر داخل ہوا اور اس کی نظر عرفان تاجی پر پڑی ، وہ چلا اٹھا: '' ارے! یہ تو اپنا تاجی بھائی ہے۔''

'' کک... کون... گڈو۔'' عرفان اچھل کر کھڑا ہو گیا... پھر دونوں نہایت گرم جوشی سے ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔

'' گڈو! تم یہاں ...''

'' میں بھی کہتا ہوں ... تاجی بھائی تم یہاں۔''

'' بیٹھ جاؤ گڈو ... ہم تفصیل سناتے ہیں... تاکہ ہم سب تمام حالات سے باخبر ہو جائیں۔''

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے شروع سے آخر تک ساری کہانی سنا دی... آخر میں بولے :

'' یہ سب ہو گیا، لیکن بہت بھاری قیمت دے کر ... ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے... اغوا کرنے والے اتنا بڑا مطالبہ کریں گے۔''

'' کوئی بات نہیں انسپکٹر صاحب... ہم خوش ہیں... دولت کا کیا ہے... دولت تو آنی جانی چیز ہے۔''

'' اب ذرا ہم عرفان صاحب سے بات کر لیں ... کیونکہ ہمارا کام تو اب شروع ہوا ہے ... عرفان صاحب ... آپ ہمیں یہ بتا سکتے ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کو کس ذریعے سے واپس بھیجا...''

'' آج سے تین دن پہلے مجھ سے کہا گیا... تمہارا سودا ہو گیا ہے ... تمہاری رہائی کا فیصلہ کر لیا گیا... تم تیاری کرو ... اب تمہیں یہاں سے جانا ہے اپنے والدین کے پاس ... رات میں کسی وقت تمہیں یہاں سے لے جایا جائے گا ... تم تیار رہنا ... مجھے بھلا کہاں نیند آ سکتی تھی ... میں تو عشاء کے بعد ہی تیار ہو کر بیٹھ گیا ... ساتھیوں سے بار بار گلے ملا ... وہ خوش بھی تھے اور غمگین بھی ... ان کی آنکھوں میں مسلسل آنسو بہہ رہے تھے ... میں بھی رو رہا تھا ... ان سے بچھڑنے کا غم بھی تھا اور اس بات کی خوشی تو بیان سے باہر تھی کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس جا رہا ہوں ... اور پھر نصف رات کے وقت مجھے وہاں سے نکلنے کے لیے کہا گیا ، میں آخری بار اپنے ساتھیوں سے ملا ... پھر مجھے وہاں سے نکال کر بہت دیر تک پیدل چلایا گیا ... آخر ایک گاڑی میں بٹھایا گیا اور ساتھ ہی میری آنکھوں پر خوب کس کر پٹی باندھ دی گئی ... میرے دونوں ہاتھ کمر پر باندھ دیے گئے تاکہ میں پٹی نہ سرکا لوں ... پھر ہمارا سفر شروع ہوا ... صبح کا اجالا ہونے تک گاڑی چلتی رہی ... پھر اس گاڑی سے اتارا گیا ... میری آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی ... میں نے خود کو ایک کمرے میں پایا ... وہاں مجھے کھانے پینے کے لیے دیا گیا ... رفع حاجت کی

مہلت دی گئی ... کئی گھنٹے بعد پھر کمرے کے اندر ہی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ... ہاتھ کمر پر باندھ دیے گئے اور ایک بار پھر گاڑی میں سوار کرایا گیا ... اور میرا خیال ہے ... یہ پہلے والی گاڑی نہیں تھی ... کوئی اور گاڑی تھی ... اس طرح پھر سفر شروع ہوا ... میں کہہ نہیں سکتا ... وہ رات کا وقت تھا یا دن کا ... لیکن میرا خیال ہے ... اس جگہ سے بھی وہ رات ہونے پر ہی نکلے تھے ... تمام رات سفر ہوا ... پھر ایک جگہ مجھے اٹھا کر زمین پر چھوڑ دیا گیا ... ساتھ ہی مجھ سے کہا گیا:

''یہاں کھڑے ہو جاؤ ... اور پانچ منٹ بعد چلانا شروع کر دینا ... کوئی گزرنے والا تمہیں لفٹ دے دے گا ... اس طرح تم آخر اپنے شہر تک پہنچ جاؤ گے۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی میں نے گاڑی روانہ ہونے کی آواز سنی ... انہوں نے روانہ ہونے سے پہلے بھی میرے ہاتھ نہیں کھولے تھے ... نہ آنکھوں پر سے پٹی ہٹائی تھی ... البتہ منہ کھلا ہوا تھا ... جونہی کسی گاڑی کی آواز سنائی دی، میں چلانے لگا: ''روکو ... روکو ... مجھے بھی ساتھ لے جاؤ ... دیکھو ... بیگار کیمپ والے مجھے یہاں چھوڑ گئے ... میری جیبوں میں جو کچھ ہے ... وہ تم لے لینا ... میری جیبوں میں کافی کچھ ہے۔'' میں کئی بار چیخا ... آخر ایک گاڑی رک گئی۔ کسی نے کہا: ''کیا ہوا ... کیوں چیخ رہے ہو۔''

میں نے اسے بھی صورت حال بتائی ... وہ گاڑی سے اتر کر میرے پاس آئے ... انہوں نے میرے ہاتھ کھولے ... آنکھوں سے پٹی اتاری ... سوالات کیے ... میری جیبوں میں چیزوں کو دیکھا ... پھر وہ سب چیزیں لے لیں اور مجھے گاڑی میں بٹھا لیا ... ساتھ ہی ان میں سے ایک نے کہا: ''ہم تمہیں ایک شہر کے قریب اتار کر آگے چلے جائیں گے ... شہر میں داخل نہیں ہوں گے ... کیونکہ اس طرح لوگ ہم پر شک کریں گے اور کوئی پولیس والا مل گیا تو وہ تو ہمیں روک ہی لے گا ... ہم اس قسم کا کوئی جھنجھٹ مول نہیں لیں گے۔''

اس طرح مجھے شہر کے باہر چھوڑ گئے ... وہاں سے ایک کار والا شہر میں لے آیا، بلکہ اس نے مجھے گھر تک بھی پہنچایا ... ابا نے اس کا شکریہ ادا کیا ... بس میری تفصیل تو یہ ہے۔''

''ہوں ... آپ تو اپنے گھر آگئے ... لیکن ہمیں گڈو کو بھی اس کے گھر تک پہنچانا ہے ... اور اس کے لیے اس بیگار کیمپ تک جانا ہے ... گرچہ ہم جانتے ہیں ... یہ کام اتنا آسان نہیں ... دوسری بات یہ کہ آپ لوگوں کی حفاظت کا بھی کچھ کرنا ہوگا ... کیونکہ ابھی کچھ پتا نہیں ... اس کیس کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔''

''کک ... کیا کہا آپ نے ابا جان ... کیس کا اونٹ۔'' فاروق

ہلک گیا۔

"ہاں بھئی... یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے..." انسپکٹر جمشید
کہے۔ پھر سیٹھ شوکت کی طرف منہ کر کے بولے:

"اور سیٹھ صاحب... آپ اپنے بھتیجے کے بارے میں بتائیں...
کیا خیال ہے... آپ کے بیٹے کو اغوا کرانے میں اس کا ہاتھ ہو سکتا
ہے... کیونکہ آپ کی ساری دولت کا مالک... وہ بن گیا ہے۔"

"نہیں... وہ ایسا نہیں... وہ تو دولت وصول کر ہی نہیں رہا تھا
...بری طرح چیخ رہا تھا... مجھے نہیں چاہیے، یہ دولت... میں کیا
کروں گا اسے لے کر... یہ ضرور کسی کی سازش ہے... چال ہے...
لوگ اب سب لوگ مجھے برا کہیں گے... لہٰذا میں یہ دولت نہیں لوں
گا... اس پر میں نے اسے سمجھایا... دیکھو... اگر تم یہ دولت نہیں لو
گے تو اغوا کرنے والے میرے بیٹے کے پیچھے پڑ جائیں گے... لہٰذا
خدا کے لیے تم یہ سب لے لو... اس پر وہ خاموش ہو گیا... تاہم بعد
میں اس نے کہا تھا... اچھا تایا جان... جونہی یہ معاملہ ختم ہو گا...
میں یہ ساری دولت اور جائیداد آپ کو دے دوں گا، اس پر میں نے
اس سے کہا کہ اب میں یہ دولت نہیں لوں گا... بس میں اس کے بغیر
زندگی بسر کروں گا... اس دولت نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا تھا...

میرا سکون چھین لیا تھا... جونہی دولت چھنی... میرا سکون مجھے مل گیا
... میرا بیٹا مجھے مل گیا... مجھے نہیں چاہیے... یہ دولت... نہیں
چاہیے مجھے۔" یہ کہہ کر سیٹھ شوکت خاموش ہو گئے۔

ان کے خاموش ہونے کے کچھ دیر بعد تک انسپکٹر جمشید کچھ دیر
تک سوچ میں ڈوبے رہے... پھر انہوں نے ایک طویل سانس لی اور
بولے: "اچھی بات ہے... اب یہاں سے ہمارا کام شروع ہوتا ہے...
آپ نے بتایا تھا کہ آپ کے مقابلے میں ہر بار الیکشن ہارنے والے
شخص کا نام نواز جگر ہے۔"

"تو آپ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ساری سازش اس کی ہے...
لیکن آپ یہ بات کس طرح ثابت کریں گے... کیونکہ جب تک وہ
کیمپ نہیں مل جاتا... آپ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"آپ اس بات کو چھوڑیں... یہ ہمارا کام ہے..."

"گویا اب ہمیں نواز جگر سے ملاقات کرنی پڑے گی...

اب انہوں نے خفیہ فورس کے انچارج کو فون کیا:

"ہیلو نمبر 1۔"

"ہیلو سر، یس سر۔"

"تمہارے لیے ایک اہم کام ہے... اپنے پانچ ماتحتوں کے

ساتھ یہیں آجاؤ۔''

''جی اچھا۔'' اس نے فوراً کہا۔

پندرہ منٹ بعد خفیہ فورس کا انچارج ان کے پاس بیٹھا تھا اور باقی پانچ کارکن باہر موجود تھے... انسپکٹر جمشید نے دوسرے کمرے میں لے جاکر اسے ہدایات دیں... اور پھر خفیہ فورس کی وہ ٹیم حرکت میں آگئی... سیٹھ شوکت تاجی اور ان کی فیملی کو اسٹیل کی بلٹ پروف شیٹوں کے حصار میں لے لیا گیا اور پھر انتہائی سخت سیکورٹی کے سائے میں خفیہ فورس ان کو لے کر وہاں سے روانہ ہوگئی۔

اس کام سے فارغ ہوکر انہوں نے کہا:

''آؤ بھئی چلیں... سیٹھ شوکت تاجی کے بھتیجے سے دو دو باتیں کرلیں۔''

''آپ نے ان کا نام تو پوچھا ہی نہیں... اور یہ کہ وہ کہاں ملیں گے... سیٹھ شوکت کی کوٹھی میں یا اپنی کوٹھی میں۔''

''ابھی پوچھ لیتے ہیں۔''

انہوں نے خفیہ فورس کے انچارج کو فون کیا... سلسلہ ملنے پر انہوں نے کہا:

''نمبر ایک... سیٹھ شوکت سے پوچھو... ان کے بھتیجے کا نام کیا

ہے اور وہ اس وقت کہاں ملیں گے۔''

''او کے... ایک منٹ۔''

جلد ہی دوسری طرف سے کہا گیا:

''سر! ان کا نام... وجاہت تاجی ہے... اور وہ اپنی کوٹھی میں ہیں... ان کی کوٹھی بھی سیٹھ شوکت کی کوٹھی کے ساتھ والی ہے۔''

وہ وجاہت تاجی کی کوٹھی پہنچے... سیٹھ شوکت کے مقابلے میں اس کی کوٹھی برائے نام کوٹھی تھی... چھوٹی سی... محمود نے گھنٹی بجائی تو ایک نوجوان نے دروازہ کھولا:

''جی فرمایئے!'' اس نے کہا۔

''ہمیں وجاہت تاجی صاحب سے ملنا ہے۔''

''میں ہی وجاہت ہوں... فرمایئے!۔''

''اور مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔'' وہ مسکرائے۔

نام سنتے ہی اس کے چہرے پر خوف پھیل گیا... فوراً ہی اس کے منہ سے نکلا:

''ن... نہیں... نہیں۔''

☆☆☆

شک کا دائرہ

انھیں بہت حیرت ہوئی ... نوجوان وجاہت کو ان سے خوف محسوس کرنے کی دور دور تک کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

ان کی نظریں وجاہت کے چہرے پر جم گئیں:

'' خیریت تو ہے، وجاہت صاحب... آپ میرا نام سن کر خوف میں مبتلا ہو گئے۔''

'' ان حالات میں، میں خوف میں مبتلا نہیں ہوں گا تو کیا کروں گا ... مجھے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا ... اب میرا جینا حرام کر دیا جائے گا، میں نے چچا جان سے کہا تھا ... آپ یہ کام نہ کریں ... عرفان کو چھڑا لیا ... بس کافی ہے ... اب اپنی دولت اپنے پاس رکھیں ... میں آپ کو واپس کیے دیتا ہوں ... لیکن وہ کہنے لگے ... یہ نہیں ہوگا ... اغوا کرنے والے بدلہ لینے پر اتر آئیں گے ... کیا خبر وہ لوگ عرفان کو دوبارہ اغوا کر لیں اور اس بار مجھے بیٹے کی جان سے ہی

نہ ہاتھ دھونے پڑ جائیں ... میں کہیں کا نہیں رہوں گا ... لہذا انھوں نے میری بات نہیں مانی ... ابھی تو آپ ہی آئے ہیں ... آپ کے بعد اور پولیس والے بھی آئیں گے۔''

'' جی نہیں ... کوئی نہیں آئے گا۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

'' کیا کہا آپ نے ... کوئی نہیں آئے گا۔''

'' ہاں! ہم انھیں روک دیں گے کہ اس معاملے کی تحقیقات ہم کر رہے ہیں ... اس لیے اور کوئی نہیں آئے گا۔''

'' اور آپ جو تحقیقات کریں گے تو کیا یہ میرے لیے پریشانی کا سبب نہیں ہوگا ... ''

'' نہیں ... ہمیں اغوا کرنے والوں کے فیصلے سے کوئی سروکار نہیں ... سیٹھ صاحب نے آپ کو اپنا سب کچھ دے دیا اس سے بھی ہمیں کوئی غرض نہیں ... سیٹھ صاحب کا بیٹا مل گیا یہی ہمارے لیے بہت ہے۔''

'' تب پھر آپ کس لیے آئے ہیں۔''

'' ہم گڈو کے لیے آئے ہیں۔''

'' کیا! ... گڈو ... وہ نوجوان جس نے 35 سال اس بیگار کیمپ میں گزارے ... اور عرفان کی وہاں موجودگی کی اطلاع دی تھی۔''

'' جی ہاں!''

'' اس کا مجھ سے کیا تعلق۔'' وجاہت نے حیران ہو کر کہا۔

'' آپ سے نہیں، اس واقعے سے تعلق ہے... ہم آپ پر جرح کرنے نہیں بلکہ صرف یہ پوچھنے آئے ہیں کہ ہم سب کی طرح آپ نے بھی یہ ضرور سوچا ہوگا کہ آخر اغوا کرنے والوں نے دولت اور جائیداد آپ کے نام کیوں منتقل کروائی... آپ کو کیا لگتا ہے... اغوا کرنے والوں کو آپ سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے... یہ دولت تو وہ خود بھی حاصل کر سکتے تھے... انہوں نے اتنی بہت سی دولت آپ کے نام کیوں کروا دی... انہیں آپ سے کیا ہمدردی ہے۔''

'' افسوس! میں نہیں جانتا... حالانکہ اس سوال نے میری نیندیں اڑا کر رکھی ہوئی ہیں... بہت سر مارنے کے باوجود میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر میں ہی کیوں... شاید یہ مجھے بدنام کرنے اور میری ہی ساکھ خراب کرنے کا کوئی حربہ ہے؟''

'' آپ یہ بات آسانی سے کہہ سکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بات سے کوئی اتفاق نہیں کرے گا۔''

'' ہاں! میں سمجھتا ہوں... لیکن جن لوگوں نے ایسا کیا ہے... اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں... میں تو یہ ساری دولت اب بھی

انہیں واپس دینے کے لیے تیار ہوں۔''

'' اغوا کرنے والوں کو؟'' انہوں نے پوچھا۔

'' نہیں... چچا جان کو۔''

'' ہوں! اس کیس میں سب سے عجیب بات یہی ہے... آخر اغوا کرنے والوں نے خود دولت کیوں حاصل نہیں کی... آپ کو کیوں دلوا دی... سوچنے والے یہی سوچیں گے کہ کہیں اغوا کرنے میں آپ کا ہی ہاتھ تو نہیں ہے۔''

'' اوہ... یعنی ایک طرف تو آپ اس بات کو ماننے پر تیار بھی نہیں ہیں کہ یہ مجھے بدنام کرنے کی کوشش ہے اور پھر خود ہی یہ بات بھی کر رہے ہیں کہ اس طرح عرفان کے اغوا کا شک مجھ پر ہی کیا جائے گا... اب بات سمجھ میں آ گئی ہے مجھے۔'' وجاہت تاجی اچھلا۔

'' کیا مطلب... کیا بات سمجھ میں آ گئی آپ کی؟''

'' یہ کہ وہ لوگ دراصل یہی چاہتے ہیں... سب لوگ مجھ پر شک کریں... یہ خیال کریں کہ یہ سارا چکر میں نے چلایا ہے... لیکن ان کے کرنے سے کیا ہوتا ہے... اصل بات تو ثبوت دینا ہے اور جب تک وہ ثبوت نہیں دے دیتے، اس وقت تک مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔''

''آپ کی یہ بات درست ہے ... خیر جب تک اغوا کرنے والے گرفتار نہیں ہو جاتے ... اس وقت تک اصل بات کا پتا نہیں چلے گا... اور ہم ان لوگوں کو گرفتار کر کے رہیں گے۔'' انہوں نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں ... آپ نے یہ الفاظ مجھ سے کہے ہیں ... میں تو کہہ رہا ہوں ... اگر میں مجرم ہوں تو میرے خلاف ثبوت مہیا کر دیں اور مجھے گرفتار کر لیں''

''میں نے یہ بات مجرموں کے لیے کہی ہے ... اگر آپ مجرم نہیں ہیں تو پھر یہ بات آپ کے لیے نہیں ہے۔'' وہ مسکرا دیے۔

''خیر خیر۔'' اس نے کندھے اچکا دیے۔

اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے... واپسی پر انہوں نے کہا:

''تم تینوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔''

''اس میں مجرموں والی کوئی بات نظر تو نہیں آئی... لیکن ہو سکتا ہے ... یہ شخص بہت زیادہ چالاک ہو۔''

''ہوں ... دیکھیں گے۔'' وہ بولے، پھر کچھ سوچ کر انہوں نے کہا: ''کیا خیال ہے، لگے ہاتھوں نواز جھگڑ سے بھی ملاقات نہ کر لیں۔''

''لیکن ابا جان! ابھی تک اس کیس سے ان کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا... آپ کس طرح ان سے بات کریں گے ... وہ تو الٹے سے اکھڑ جائیں گے۔''

''کوئی بات نہیں ... ملاقات کرنے کا ایک فائدہ ضرور ہو گا۔'' وہ مسکرائے۔

''اور وہ کیا ابا جان۔'' محمود نے فوراً پوچھا۔

''یہ کہ اگر یہ شخص مجرم ہوا تو ہمارے ملاقات کرنے پر فکر مند ہو جائے گا ... بلکہ گھبرا جائے گا ... اور گھبراہٹ میں کوئی غلطی کرے گا ... میرا مطلب ہے... اس بات کا امکان ہے ... جب کہ ملاقات کرنے سے ہمارا نقصان کوئی نہیں۔''

''آپ کی بات بالکل درست ہے ابا جان۔''

''بس تو پھر آؤ... لگے ہاتھوں بات کر لیتے ہیں۔''

انہوں نے اپنی گاڑی کا رخ نواز جھگڑ کی کوٹھی کی طرف کر لیا... کوٹھی کے بارے میں انہیں معلوم تھا ... اس طرف سے ان کا کئی بار گزر ہوا تھا... یہ بھی محل نما کوٹھی تھی ... سیٹھ شوکت تاجی کے مقابلے میں الیکشن لڑنے والا غریب آدمی تو ہو نہیں سکتا ... لوہے کے بہت بڑے اور شاندار گیٹ پر مسلح چوکیدار چوکس کھڑے تھے ... ایک طرف

استقبالیہ کے لیے کرہ بنا ہوا تھا... گویا انہیں پہلے وہاں جا کر بتانا تھا ... انسپکٹر جمشید خود نیچے اترے اور اس کمرے کی طرف بڑھ گئے ... اندر تین آدمی بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے، انہوں نے اپنا کارڈ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا:

''ہمیں نواز جگنو صاحب سے ملنا ہے۔''

تینوں نے اپنی بات چیت روک کر کارڈ پر نظر ڈالی:

''صاب اس وقت بہت مصروف ہیں... پھر بھی ہم پوچھ لیتے ہیں۔''

''ان سے کہیں... سیٹھ شوکت تاجی کے سلسلے میں ملنے کے لیے آیا ہوں۔''

''میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں... آپ بیٹھیں۔''

وہ کرسی پر بیٹھ گئے... ادھر اس نے فون پر نمبر ڈائل کیا... سلسلہ ملتے ہی ایک کھردری سی آواز کمرے میں گونجی:

''ہاں! کیا بات ہے۔''

''انسپکٹر جمشید آئے ہیں... سیٹھ تاجی کے سلسلے میں۔''

''میں بہت مصروف ہوں... انہیں تین دن بعد کا کوئی وقت ملاقات کا دے دیں۔''

''لیکن ہم اسی وقت ملنا پسند کریں گے۔'' انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بول پڑے۔

''یہ انسپکٹر جمشید بولے ہیں۔''

''ہاں جناب!''

''تو ان سے کہہ دیں، میں ان کا ملازم نہیں... نہ میں کوئی مجرم ہوں... جب وقت ہوگا... ملاقات کروں گا۔''

''یہ فیصلہ ہم کریں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

''کون سا فیصلہ؟''

''یہ کہ آپ مجرم ہیں یا نہیں۔''

''کیا مطلب... کیا کہا... یہ فیصلہ آپ کریں گے... میں مجرم ہوں یا نہیں۔'' وہ چیخ پڑا۔

''ہاں جگنو صاحب... آپ ہم سے ملاقات کرلیں... ہمارے سوالات کے جوابات دے دیں... اس طرح بات بگڑے گی نہیں... اور اگر آپ نے ملاقات نہ کی تو پھر معاملہ لمبا ہو جائے گا۔''

''کوئی پروا نہیں... ہوتا ہے تو ہو جائے۔''

''اوکے... آپ کی مرضی۔''

انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے...

فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی:

''ہاں جمشید ... خیریت۔''

''سر! تلاشی کے وارنٹ بھیج دیں ... ہمیں نواز جنگجو کی کوٹھی کی تلاشی لینی ہے اور ان سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔''

''نواز جنگجو ... یہ تم کہاں جا پہنچے جمشید اور کس سلسلے میں۔''

''سیٹھ شوکت تاجی کے کیس کے سلسلے میں۔''

''بہت اونچی جگہ جا پہنچے ... وارنٹ کے بغیر ملاقات کر لو تو اچھا ہے۔''

''یہ کوشش میں کر چکا ہوں اور اس وقت ان کی کوٹھی کے باہر استقبالیہ میں موجود ہوں ... محمود ، فاروق اور فرزانہ باہر جیپ میں موجود ہیں اور نواز جنگجو صاحب ملاقات سے صاف انکار کر رہا ہے۔''

''میں ان سے بات کرتا ہوں۔''

''ضرور کریں ... ہم تو لڑنے جھگڑنے سے خود بچتے ہیں ... دوسرے ہی ہمیں مجبور کر دیتے ہیں۔''

''خیر تم ٹھہرو۔''

چند منٹ کے انتظار کے بعد آئی جی صاحب کا فون آ گیا ... انہوں نے سنا ، وہ کہہ رہے تھے:

''جمشید ... وہ کہہ رہے ہیں ... اس وقت وہ بہت مصروف ہیں ... تین دن بعد ملاقات کا وقت دیا جا سکتا ہے۔''

''معاف کیجیے گا سر! جن لوگوں پر کسی کیس کے سلسلے میں شک ہو ... ان سے ملاقات کے وقت نہیں لیے جاتے ... ہم جب چاہیں ... انہیں چیک کر سکتے ہیں ... آپ یہ بات انہیں بتا دیں ... وہ پھر بھی نہ مانیں تو وارنٹ بھجوا دیں۔''

''بات وہی ہے جو تم کہہ رہے ہو ... قانون یہی ہے ... اور اگر ایسا کوئی شخص ملاقات نہ کرے تو اس کے خلاف وارنٹ جاری کیا جائے گا ... لہٰذا تم وارنٹ کا انتظار کرو۔''

''شکریہ سر!''

وہ وہاں سے اٹھ کر اپنی جیپ میں آ بیٹھے ... آدھ گھنٹے بعد اکرام اور اس کے ماتحت اور پولیس کی کئی بڑی گاڑیاں وہاں آ گئیں ... انسپکٹر جمشید نے وارنٹ اکرام سے لیے ... اسے ہدایات دیں اور خود استقبالیہ میں پہنچ گئے ... وہاں پہلے ہی اندر فون کیا جا چکا تھا:

''یہ رہے تلاشی کے وارنٹ ... انہیں فوراً اطلاع دیں کہ باہر پولیس موجود ہے ... اگر آپ نے ملاقات نہ کی تو ان کی گرفتاری عمل میں آئے گی۔''

ان میں سے ایک نے ایک نظر وارث پر ڈالی ... پھر فون پر بات کرنے لگا ... دوسری طرف سے نواز جھگڑ کی آواز سنائی دی:

"ان سے کہو ... میں باہر آرہا ہوں ... انتظار کریں۔"

"سن لیا آپ نے۔" وہ بولے۔

"ہاں سن لیا ... لیکن ہم زیادہ انتظار نہیں کریں گے ... نواز جھگڑ! یہ بھی سن لیں۔"

"آپ نے سنا ہے ... یہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں! میں آرہا ہوں ... اب باہر آنے میں ایک دو منٹ تو لگیں گے نا۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور دو منٹ بعد انٹرکام کی گھنٹی بجی:

"ان لوگوں کو اندر لان میں بھیج دو ... میں لان میں آگیا ہوں۔"

"آئیے سر!" اسی نے کہا جو اب تک فون پر بات کرتا نظر آرہا تھا۔

وہ اس کے ساتھ اندر پہنچے ... لان میں نواز جھگڑ ایک شاہانہ کرسی پر بیٹھا تھا ... وہ اخبارات میں اس کی تصاویر دیکھتے رہتے

تھے ... انہوں نے اس کے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا تھا، اس سے ہاتھ ملائے اور کرسیوں پر بیٹھ گئے:

"آپ نے ملاقات کے لیے وارنٹ حاصل کیے ... اس بات کو یاد رکھیے گا۔" اس کا لہجہ انتہائی خشک تھا۔

"یہ آپ کی وجہ سے ہوا ... ہم تو وارنٹ کے بغیر ملاقات کرنے آئے تھے۔"

"اس بات کو چھوڑیں ... اصل بات کی طرف آئیں۔"

"سیٹھ شوکت تو الیکشن سے الگ ہو گئے ہیں ... ان کے بیٹے کو اغوا کرلیا گیا تھا ... بیٹے کو اس شرط پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ آئندہ الیکشن نہ لڑیں، بلکہ انہیں ان کی دولت سے بھی محروم کر دیا گیا۔"

"تو پھر ... اس بات سے میرا کیا تعلق؟"

"آپ ان کے مقابلے میں ہمیشہ الیکشن ہارتے رہے ہیں ... لیکن آئندہ الیکشن میں جیت آپ کی ہے ... تو اس سے یہ کیوں نہ سمجھا جائے ... ان کے بیٹے کو اغوا آپ نے کرایا تھا۔"

"آپ اس بات کو ثابت کر دیں ..." وہ مسکرایا۔

"جی ہاں!" انسپکٹر جمشید بھی جواب میں مسکرائے۔

"جی ہاں کیا۔"

''اب بھی کام بھی کریں گے ... اگر ان کے بیٹے کے اغوا میں آپ کا ہاتھ تھا تو ہم یہ بات ثابت کر کے رہیں گے۔''

''آپ کو روکا کس نے ہے۔'' نواز جنگجو نے بھنا کر کہا۔

''بس تو پھر انتظار کریں۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے۔

''لیکن آپ تو تلاشی کے لیے آئے تھے۔'' اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

''ہم ملاقات کرنا چاہتے تھے ... جب آپ نے ملاقات سے انکار کر دیا تو پھر تلاشی کے وارنٹ حاصل کیے گئے۔''

''میرا خیال ہے ... آپ تلاشی بھی لے ہی لیں۔'' اس نے کہا۔

''اچھی بات ہے ... آپ کہتے ہیں تو لے لیتے ہیں۔''

اب انہوں نے اکرام کو موبائل پر ہدایات دیں ... کوٹھی کے گرد وہ اپنے ماتحتوں کو پہلے ہی کھڑا کر چکا تھا ... اب چند ماتحتوں کو ساتھ لیے اندر آ گیا ... ان سب نے کوٹھی کی تلاشی شروع کی ... انسپکٹر جمشید نے خفیہ طور پر اکرام کو بتایا تھا کہ ہمیں دراصل کس چیز کی تلاش ہے ... محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی انہوں نے بتا دیا تھا۔

تلاشی کا عمل شروع ہوا ... وہ ایک ایک کر کے سب کمرے دیکھتے پھرے ... آخر میں ایک الماری پر ان کی نظریں جم گئیں ... اس الماری میں نواز جنگجو کے جوتے موجود تھے ... انہوں نے تمام جوتوں کا اچھی طرح جائزہ لیا ... ان کے تلووں کو دیکھا ... تلووں میں لگی مٹی کو الگ الگ جمع کیا، نواز جنگجو اس وقت ان کے ساتھ نہیں تھے ... البتہ ان کا ایک ملازم ان کے ساتھ ساتھ تھا، اس نے اس عمل کو حیران ہو کر دیکھا ... اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں ... بھلا جوتوں کے تلووں کی مٹی کا وہ کیا کریں گے ... لیکن یہ بات اس کے سمجھنے کی تھی بھی نہیں ... آخر وہ اپنا کام ختم کر کے باہر نکل آئے ... نواز جنگجو ابھی تک لان میں بیٹھے تھے ... ان پر نظر پڑتے ہی انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا:

''مل گیا آپ کو میرے خلاف ثبوت۔''

''ہم نے ایک چیز حاصل کی ہے، البعد میں بتائیں گے کہ وہ چیز ثبوت بن سکی یا نہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''جوتوں کی مٹی! یہ دیکھیں ... ان کیمروں کی مدد سے میں دیکھ رہا تھا کہ آپ جوتوں کی مٹی جھاڑ کر لفافے میں جمع کر رہے ہیں۔'' نواز جنگجو سامنے رکھے مونیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

”ہاں جوتوں کی مٹی۔“

”میں نے ایسے سراغرساں پہلی بار دیکھے ہیں... جو لوگوں کے جوتوں کی مٹی سے بھی تفتیش کرتے ہیں۔“

”چلیے خیر... دیکھ تو لیے۔“ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑتے ہوئے بولے:

”آؤ بھئی چلیں۔“

”بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔“ نواز جگنو نے طنزیہ کہا۔

”نہیں تو... ہم تو بہت باعزت طریقے سے جا رہے ہیں، انشاء اللہ پھر آئیں گے۔“

”میں انتظار کروں گا۔“ اس نے فوراً کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ انہوں نے کہا اور باہر نکل آئے۔

اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا:

”اس بات کا امکان ہے کہ اس کا تعلق بیگار کیمپ سے ہو... اسی کے کہنے پر اس شخص نے عرفان تاجی کو چھوڑا گیا ہو... اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں نے ساری دولت سیٹھ شوکت کے بھتیجے کو کیوں دلوائی ہے... وہ خود بھی تو لے سکتے تھے۔“

”اس صورت میں نواز جگنو کی ذات پوری طرح شک کے دائرے میں آجاتی ہے۔“ محمود نے کہا۔

”بالکل ٹھیک... ان لوگوں نے خود کو بچانے کے لیے دولت وجاہت تاجی کو دلوائی ہے۔“

”کک... کیا کہا۔“ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”تمہیں کیا ہوا۔“ فرزانہ نے منہ بنایا۔

”شک کا دائرہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”ہے کوئی تک۔“

”بالکل نہیں...“ محمود نے فاروق کو گھورا۔

”لگتا ہے... آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جاؤ گے۔“ فاروق نے بھی تڑ سے کہا۔

”جب کہ اس وقت ہم ایک بہت اہم بات کر رہے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید کی سرد آواز نے ان سب کو خاموش کر دیا۔

”جی... فرمایئے۔“

”ہم کیمپ کا سراغ کیسے لگائیں؟“

”اوہ!“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆

اشتہار

وہ کافی دیر تک سوچ میں گم رہے ...

آخر محمود نے کہا: '' اس سلسلے میں ہمارے پاس دو ڈرائیور ہیں ... ایک تو وہ جس نے گڈو کو ٹرک پر سوار کیا تھا ... وہ ہمیں بتا سکتا ہے کہ اس نے اسے کس جگہ سے اٹھایا تھا۔ ہم وہاں سے کیمپ کی تلاش شروع کر سکتے ہیں ... دوسرے وہ جس نے عرفان تاجی کو لفٹ دی تھی ... اور دارالحکومت کے باہر اتار کر چلا گیا تھا ... وہ بھی بتا سکتا ہے کہ اس نے عرفان کو کہاں سے اٹھایا ہے ... اگرچہ اس کے بتانے سے ہم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ... کیونکہ عرفان کو تو خود اغوا کرنے والوں کی گاڑی بہت دور تک پہنچا گئی تھی ... جب کہ گڈو دوڑتا ہوا جس جگہ تک آیا تھا، ٹرک ڈرائیور نے اسے اس جگہ سے اٹھایا تھا اور وہ کیمپ اس جگہ سے بہر حال بہت زیادہ دور نہیں ہو سکتا ... کیونکہ ایک انسان پورا ایک دن بھی بھاگتا رہے اور پوری ایک رات بھی بھاگتا رہے ...

ب بھی وہ اس قدر زیادہ فاصلہ طے نہیں کر سکتا ... اس جگہ پہنچ کر اگر ہمیں ایک عدد بیلی کا پتہ مل جائے تو ہم اس کیمپ کو تلاش کر سکتے ہیں اور گڈو ہمارے ساتھ ہوگا ہی ... کیمپ کی نشان دہی وہ آسانی سے کر ے گا۔''

''زبردست۔'' انسپکٹر جمشید نے محمود کی طرف تعریفی نظروں سے یکھا۔

''تب پھر پہلے اخبارات میں اشتہار دینا پڑے گا ... اشتہارات کے ساتھ گڈو کی تصویر بھی شائع کرانا ہوگی ... تب ہی تو ڈرائیور اس کی تصویر دیکھ کر آئے گا اور اچھی بھلی بڑی رقم کے انعام کا بھی اعلان کرنا ہوگا ... ورنہ ڈرائیور سوچے گا ... میں کیوں جاؤں ... مجھے کیا رورت ہے، پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی۔'' فرزانہ کہتی چلی گئی۔

''بالکل! یہ اشتہار تمام اخبارات میں دینا ہوگا ... چینلز پر بھی ہوگا ... کیونکہ بہت سے لوگ اخبارات نہیں پڑھتے ... خاص طور ڈرائیور لوگ ... لیکن ٹی وی کے پروگرام ضرور دیکھتے ہیں، بس اس اور یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ آجائے گا۔''

''بالکل ٹھیک ... میں اشتہار بناتا ہوں۔''

گھر پہنچ کر انہوں نے اشتہار بنایا ... پھر انہیں دکھایا ... انہوں

نے ایک ساتھ کہا:

''زبردست اشتہار ہے ... انعام کی رقم بہت پرکشش ہے ... لہٰذا امید یہی ہے کہ وہ آجائے گا۔''

''پھر اللہ کا نام لے کر شروع کرتے ہیں۔'' انہوں نے کہا۔

دوسرے دن سے ہی اشتہار کی اشاعت شروع ہو گئی ... اب انہیں انتظار تھا ... اس ڈرائیور کا ... تین دن بعد وہ شام کی چائے پر آپس میں باتیں کر رہے تھے:

''اور ابا جان ! اگر ڈرائیور نہ آیا۔''

''امید پر دنیا قائم ہے ...'' وہ مسکرائے۔

''اگر امید ٹوٹ گئی تو۔''

''تو بھی ہم بیگار کیمپ کی تلاش میں نکلیں گے ... چاہے ہمیں صدر مملکت سے کہہ کر ہیلی کاپٹر ہی کیوں نہ لینا پڑے۔''

''ہیلی کاپٹر تو خیر ہم اپنا بھی لے سکتے ہیں ... ہمارے انکل خان رحمان خرید سکتے ہیں ... دوسری بات ابا جان ... وادیٔ سبران سے لائے جانے والے راکڈوم بھی حکومت کو دے چکے ہیں ... وہ ہم لوگوں کے ذریعے حکومت کو ملے ہیں ... ہماری تلاش کے سلسلے میں وہ انکل کامران مرزا کو بھی دیا گیا تھا ... تو ہمیں کیوں نہیں مل سکتا۔''

''بالکل مل سکتا ہے ... لیکن اصل مسئلہ ہیلی کاپٹر یا راکڈوم کا نہیں ... ڈرائیور کا ...''

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ... اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی:

''آگئے ڈرائیور صاحب۔''

''حد ہو گئی ... اب تمہیں راتوں کو خواب میں بھی ڈرائیور ہی نظر آئے گا۔'' باورچی خانے سے بیگم جمشید کی آواز سنائی دی:

''وہ ... امی جان ... آپ نے سنا نہیں غرض مند دیوانہ ...''

''حد ہو گئی ... بھئی پہلے دروازہ۔'' بیگم جمشید نے جھلا کر کہا۔

''اوہ ہاں۔'' محمود نے کہا اور فوراً دروازے پر پہنچ گیا:

''کون ؟'' اس نے کہا۔

''جس کیلئے آپ نے اشتہار دیے تھے۔''

''کیا !!!'' وہ چلا اٹھے اور پھر محمود نے دروازہ کھول دیا۔

باہر واقعی ایک شخص ڈرائیوروں کی شکل صورت اور حلیے جیسا کھڑا نظر آیا۔ وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئے ... پھر انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کو اشارہ کیا:

''فرزانہ ! تم جاؤ ... اور گڈو کو لے آؤ ... اب اصل ضرورت

گڈو کی ہے۔''

''جی اچھا!'' اس نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

وہ مہمان خانے میں پہنچی ... گڈو اخبار پڑھ رہا تھا ... پڑھ کیا رہا تھا... اس میں تصویریں دیکھ رہا تھا:

''گڈو ... ایک شخص آیا ہے ... ہم نے اخبارات میں اشتہارات شائع کرائے تھے نا۔''

''ہاں! مجھے معلوم ہے۔''

''اب یہ تو تم ہی بتا سکتے ہو کہ یہ شخص وہی ہے یا کوئی اور ... کیونکہ انعام کے لالچ میں کوئی بھی ٹرک ڈرائیور آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اس شخص کو ٹرک پر بٹھایا تھا... اس طرح غلط آدمی تو اس جگہ کی نشان دہی نہیں کر سکتا۔''

''میں سمجھ گیا ...میں ٹرک ڈرائیور کو پہچان لوں گا کیونکہ اس نے مجھ سے کئی سوال پوچھے تھے ... راستے میں کچھ کھلایا پلایا بھی تھا...''

''تو پھر آؤ... لیکن خوب اچھی طرح دیکھ کر اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا...''

''آپ فکر نہ کریں۔''

اور پھر فرزانہ اسے ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں آگئی... وہاں

ڈرائیور موجود تھا۔فرزانہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ... گڈو کی نظریں اس پر جم گئیں ... پورے دو منٹ تک اسے دیکھتا رہا ...اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے ... آخر اس نے کہا:

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ڈرائیور ہے۔''

''اوہ۔''

''آپ ذرا یہ بتائیں... جب آپ نے انہیں لفٹ دی تھی تو کیا بات پوچھی تھی۔''

''جی میں نے۔'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''ہاں آپ نے ان سے کیا پوچھا تھا... ظاہر ہے ... بغیر کوئی بات کیے تو آپ نے انہیں ٹرک پر بٹھایا نہیں ہوگا۔''

''ہاں بالکل ... میں نے ان سے پوچھا تھا... یہ کون ہیں اور یہاں سڑک کے کنارے کیوں کھڑے ہیں۔''

''تب پھر انہوں نے کیا بتایا تھا۔''

''انہوں نے بتایا تھا کہ یہ ایک بیگار کیمپ سے بھاگ نکلے ہیں اور یہ کہ مہربانی کر کے میں یعنی ٹرک ڈرائیور انہیں کسی شہر تک انہیں پہنچا دوں ...ظاہر ہے ... بیگار کیمپ سے بھاگا ہوا شخص کسی کو کچھ دے تو سکتا نہیں ... یہ کام تو صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کیا جاتا

ہے ... لہٰذا میں نے انہیں بٹھا لیا ... اور شہر کی حدود میں لا کر اتار دیا۔''

''آپ کا مطلب ہے ... دارالحکومت یعنی اسی شہر کی حدود میں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی ہاں!''

''اچھی بات ہے ... آپ ذرا ٹھہریں ہم ابھی آتے ہیں۔'' انہوں نے اس سے کہا، پھر گڈو سے بولے:

''گڈو میاں! تم میرے ساتھ آؤ۔''

''جی اچھا۔''

وہ گڈو کو ایک اندرونی کمرے میں لے آئے ... اور اس سے بولے:

''ہاں گڈو ... کیا یہ وہی ڈرائیور ہے۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا ...''

''کوئی ایسی بات یاد کرو ... جو اس نے تم سے پوچھی ہو ... یا تم نے اس سے کہی ہو۔''

''میں تو اس سے کچھ پوچھنے کی پوزیشن میں تھا ہی نہیں ... میں نے تو بس اتنا بتایا تھا کہ میں ایک بیگار کیمپ سے بھاگا ہوا ہوں ...

مہربانی کرو اور مجھے کسی شہر کی حدود تک پہنچا دو ... البتہ ڈرائیور نے مجھ سے چند سوالات کیے تھے ... لیکن وہ مجھے یاد نہیں۔''

''کیمپ کے بارے میں اس نے کچھ پوچھا تھا ... یاد کرو گڈو۔''

''جی ... اچھا ... مجھے یاد کرنے دیں۔''

''ضرور کیوں نہیں ... ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے ... ہمیں اس انعام کی فکر نہیں ... جو ڈرائیور کو دینا ہے ... لیکن ہم چاہتے ہیں ... انعام حق دار کو ہی ملے ... اور ہمیں اس سے درست بات معلوم ہو ... کیونکہ اسی بات کی بنیاد پر ہمیں کیمپ کی تلاش میں نکلنا ہے۔''

''ہوں ... میں بات کو سمجھ رہا ہوں ... اور یاد کر رہا ہوں ... ارے ہاں ... یاد آگئی کام کی بات ... اس نے پوچھا تھا ... میں کسی جیل سے تو بھاگا ہوا نہیں ہوں ... اب اگر یہ اصلی آدمی ہے تو یہ سوال بھول نہیں سکتا ... خود بتائے گا ... نہ بتایا تو یہ اصلی آدمی نہیں ہے۔''

''بہت خوب! یہ اچھا ہوا ... تمہیں ایک جملہ یاد آگیا ... آؤ میرے ساتھ۔''

وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئے ... اور ڈرائیور سے کہا:

''ڈرائیور صاحب ... اس شخص نے ہمیں ایک جملہ بتایا ہے ...

جس [illegible] سے یہ ملا تھا اور جس نے اسے دارالحکومت تک پہنچایا تھا
... آپ نے ان سے ایک اور سوال پوچھا تھا... آپ وہ سوال دہرا
دیں... ہم انعام آپ کو دے دیں گے... لیکن ایسا اس وقت کریں
گے جب آپ ہمیں اس جگہ تک لے جائیں گے... جہاں سے آپ
نے [illegible] اٹھایا تھا۔"

"میں نے ان سے پوچھا تھا۔" اس نے پریشانی کے عالم میں
کہا۔

"ہاں وہ جملہ انہوں نے مجھے بتا دیا ہے... اب اگر آپ سچے
ہیں تو بتائیں آپ نے ان سے کیا پوچھا تھا... کیونکہ جو سوال آپ
نے ان سے پوچھا تھا... اس کے پوچھنے کی وجہ بھی بتائی تھی۔" یہاں
تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے... ڈرائیور کی پیشانی پر بل پڑ گئے...
آخر اس نے کہا:

"مجھے تو یاد نہیں آ رہا... میں نے کیا پوچھا تھا۔"

"جی تو پھر آپ وہ ڈرائیور نہیں ہیں... انعام کے لالچ میں
آ گئے ہیں۔ میں اگر چاہوں تو آپ کو گرفتار کر سکتا ہوں... لیکن
آپ کو جانے دیتا ہوں... اور یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جھوٹ بول کر کوئی
چیز حاصل کرنا اچھی بات نہیں... آپ کو معلوم نہیں، ہم کس صورتحال

سے دوچار ہیں... اگر ہم غلط راستے پر چلے گئے تو کبھی اس کیمپ تک
نہیں پہنچ سکیں گے جس میں انہیں رکھا گیا تھا... وہاں اور بہت سے
مظلوموں کو رکھا گیا ہے... ہمارا اصل مقصد تو ان سب کو رہا کرانا ہے
... یہ تو وہاں سے آ گئے ہیں... مسئلہ ان کا نہیں... وہاں موجود لوگوں
کا ہے... ذرا تصور کریں... ہماری کوشش سے وہ لوگ اگر رہا ہو گئے
تو ہمیں کتنی دعائیں دیں گے... اب بھی اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ
وہی ڈرائیور ہیں تو ہمارے پاس سچ اور جھوٹ کو اگلوانے کے بہت
سے طریقے ہیں اور ہم سچ جان لیں گے..."

"آپ ٹھیک کہتے ہیں... مجھے معاف کر دیں... میں وہ
ڈرائیور نہیں ہوں... جس نے انہیں لفٹ دی تھی۔" اس نے گھبرائی
ہوئی آواز میں کہا۔

"چلو شکر ہے آپ نے اپنی غلطی مان لی... ہمارے لیے یہی
بہت ہے... آپ اپنے ٹرک پر آئے تھے یا کسی بس میں بیٹھ کر۔"

"میرے پاس ٹرک کہاں... میں تو ملازمت کی تلاش میں ادھر
ادھر بھٹک رہا ہوں... یہ سوچ کر چلا آیا تھا کہ شاید انعام حاصل
کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''کوئی بات نہیں ... بھوک انسان سے پتا نہیں کیسے کیسے کام کروا ڈالتی ہے، آپ یہیں ٹھہریں ... میں آپ کے لیے کچھ کرتا ہوں۔''

وہ اندر چلے آئے... اب انہوں نے اکرام کو فون کیا ... ساری صورتحال اسے بتائی، ہدایات دیں... اس نے فوراً کہا:

''ٹھیک ہے سر... آپ فکر نہ کریں۔''

اب وہ واپس ڈرائنگ روم میں آگئے... انہوں نے کچھ کرنسی نوٹ اس ڈرائیور کو دیے:

''یہ رکھ لیں... یہ وہ انعام نہیں ہے... جو مقرر کیا گیا ہے... یہ تو ہم مدد کے طور پر دے رہے ہیں۔''

''نن نہیں...'' مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

''کیوں... کیا ہوا۔''

''نن نہیں۔'' اس نے پھر کہا۔

''اوہو... بھائی کیا ہوگیا ہے... پتا بھی تو چلے۔''

''نن نہیں۔'' اس نے پھر کہا۔

''حد ہوگئی... آپ کو ہو کیا گیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

''م... مجھے معاف کر دیں... آپ... آپ بہت اچھے ہیں

اور میں بہت بڑا... جھوٹ موٹ کا ٹرک ڈرائیور بن کر آگیا ... آپ کو دھوکا دینے کیلئے اور آپ... آپ یہ بات جان لینے کے بعد بھی مجھے یہ رقم دے رہے ہیں... آپ کو تو چاہیے تھا... مجھے خوب بُرا بھلا کہتے... لعنت ملامت کرتے۔''

''نہیں... اگر میں آپ کو بُرا بھلا کہتا... لعنت ملامت کرتا تو آپ پر وہ اثر نہ ہوتا جو اس وقت ہوا ہے... آپ خود اپنی کیفیت پر غور کریں۔''

''ہاں واقعی آپ ٹھیک کہتے ہیں... آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

''آپ اپنا پتا لکھ کر دے جائیں... ہم آپ کو کہیں لگوانے کی کوشش کریں گے انشاء اللہ!''

''اللہ آپ کو خوش رکھے۔''

اس نے جلدی جلدی اپنا پتا لکھ کر دیا اور شرمندہ سا چلا گیا:

''یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔''

''فکر والی کوئی بات نہیں... وہ ٹرک والا اخبار نہیں پڑھے گا، تب بھی کچھ ٹرک والے اخبارات میں اشتہار دیکھیں گے.... انعام کی رقم کافی بڑی ہے... اس وجہ سے اس اشتہار کا چرچا ہوگا اور اللہ نے چاہا تو اس ڈرائیور تک بات پہنچے گی ... ہمیں انتظار تو کرنا پڑے گا۔''

'' وہ تو کر ہی رہے ہیں... اس کیس میں ہم پریشان ہیں... ایک تو گڈو کو اس کے گھر والے مل جائیں ... دوسرے اس بیگار کیمپ کے لوگ اپنے اپنے گھروں تک پہنچ جائیں ، یہ کس قدر بڑا مشکل کام ہوگا ابا جان ۔'' محمود نے جذباتی انداز میں کہا ۔

'' ہاں بالکل! اس میں شک نہیں ۔''

اور پھر دوسرے دن شام کے وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی ... دستک دینے والے کا انداز نیا تھا گویا کوئی نیا آدمی آیا تھا :

'' چلو محمود بسم اللہ کرو ... اللہ کرے یہ وہی ٹرک والا ہو ... فاروق تم گڈو کو بلا لاؤ ۔''

'' لیکن ابا جان ... پہلے معلوم تو ہو جائے کہ کون آیا ہے ۔'' فاروق نے کہا ۔

'' بس! میرا دل کہہ رہا ہے ... یہ وہی ڈرائیور ہے ۔''

'' اچھی بات ہے ۔''

فاروق فوراً گڈو کو بلانے چلا گیا ... ادھر محمود نے دروازے پر جا کر پوچھا : '' کون صاحب !''

'' ڈرائیور کی تلاش کا اشتہار آپ ہی نے دیا ہے ۔''

'' جی ہاں! دیا تو ہے ۔''

'' بس تو پھر میں وہی اشتہار پڑھ کر آیا ہوں ۔''

'' اچھی بات ہے ۔'' محمود نے کہا اور دروازہ کھول دیا ۔

انہوں نے دیکھا ، وہ ایک ادھیڑ عمر کا صحت مند آدمی تھا... صاف ستھرے رنگ کا مالک تھا :

'' آیئے ۔'' محمود نے کہا ۔

وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئے ... ادھر اندرونی دروازے سے فاروق گڈو کے ساتھ اندر داخل ہوا :

'' ارے !'' گڈو کے منہ سے نکلا ۔

'' یہ... یہ تو وہی جوان ہے ۔'' ڈرائیور کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا ۔

'' اللہ کا شکر ہے ... درست آدمی آ گیا'' انسپکٹر جمشید بولے ۔

'' کیا مطلب ... کیا کسی غلط آدمی کے آنے کا بھی امکان تھا ۔''

'' ہاں ... اور ایک غلط آدمی آچکا ہے ۔''

'' لیکن میں انعام کے لالچ میں نہیں آیا ... اشتہار پڑھ کر میں نے خیال کیا کہ آپ لوگ اس نوجوان کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں ، تو میں چلا آیا ۔''

'' آپ بہت اچھے آدمی ہیں ... دراصل اس نوجوان کو بچپن میں

اغوا کیا گیا تھا... اس نے اس بیگار کیمپ میں اپنی زندگی کے 35 سال گزارے ہیں... اب آکر یہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا ہے... اب ہم چاہتے ہیں... انہیں ان کے گھر تک پہنچا دیا جائے... لیکن یہ تو کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں... لہٰذا ہم اس بیگار کیمپ کا سراغ لگانا چاہتے ہیں، اس طرح وہاں جو مظلوم بے چارے قید ہیں، ان کی رہائی کی بھی صورت بن جائے گی اور یہ ایک بہت عظیم نیکی کا کام ہوگا، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔''

''بہت ہی اچھا خیال ہے۔''

''تب پھر آپ سے ہم اتنی مدد چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس جگہ لے چلیں، جہاں سے آپ نے انہیں ٹرک پر بٹھایا تھا۔''

''میں وہاں چلنے کیلئے تیار ہوں۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''بہت بہت شکریہ! آپ واقعی بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''بس! اب آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

''اچھا... پہلے یہ بتائیں آپ کو آنا کہاں سے پڑا ہے۔''

''میں تین گھنٹے کے سفر کے بعد آیا ہوں۔''

''بس پر آئے ہیں۔''

''جی ہاں!''

''اگر آپ کچھ آرام کرنا چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے اجازت ہے... آپ آرام کرلیں تاکہ تھکن اتر جائے... یہ وقت ہے بھی شام کا... اس لحاظ سے تو صبح ہی سفر کرنا بہتر ہوگا... کیونکہ وہ جگہ یہاں سے اتنی نزدیک ہو نہیں سکتی۔''

''جی ہاں... تیرہ چودہ گھنٹے کا سفر ہے۔''

''تب تو پھر آپ آرام کر لیں... ہم صبح فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوں گے... بلکہ نہیں، تیرہ چودہ گھنٹے کا سفر ہے... لہٰذا ہم نصف رات کو چلیں گے۔''

''یہ ٹھیک رہے گا... نصف رات تک ہم آرام کر لیتے ہیں۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

محمود اور فرزانہ نے اسے تیز نظروں سے گھورا، جیسے کہہ رہے ہوں: ''اسے تو ہر وقت آرام کی پڑی رہتی ہے۔''

رات کا کھانا کھانے کے بعد انہوں نے آرام کی ٹھانی... مہمان کو گڈو کے ساتھ مہمان خانے میں سلا دیا گیا... ایسے میں فرزانہ کو ایک خیال آیا... اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا:

''اور اگر یہ ڈرائیور غلط ہوا تو رات کو گڈو کو ختم کر کے فرار ہو سکتا ہے... یا اسے ساتھ لے جا کر غائب ہو سکتا ہے۔''

"ایسا لگتا تو نہیں... لیکن ہم پہرہ مقرر کر دیتے ہیں۔"

انہوں نے اکرام کو ہدایات دیں اور سونے کے لیے لیٹ گئے... نصف رات کو اٹھے تو گھر میں ہر طرح خیریت تھی... جلد ہی گھر سے نکل کھڑے ہوئے... گڈو کو انہوں نے ساتھ نہیں لیا تھا بلکہ اسے اپنے ایک قریبی دوست کے ہاں ٹھہرا دیا تھا۔

ان کا سفر جاری رہا... صبح کے وقت انہوں نے نماز ادا کی اور پھر ایک جگہ ناشتا کیا... اس کے بعد پھر ان کا سفر شروع ہو گیا... ان کا سفر رات کو بارہ بجے شروع ہوا تھا... اس طرح وہ دوپہر ایک بجے کے قریب اس جگہ پہنچ گئے... جہاں ڈرائیور نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا... وہ سب اتر آئے... اب ڈرائیور نے کہا:

"یہ بھائی مجھے یہاں کھڑا ملا تھا... اور اس میں کوئی شک والی بات نہیں... اندازے والی بات نہیں... میری یادداشت الحمدللہ بہت اچھی ہے... سو فیصد یقین سے آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں۔"

"اور ہمیں آپ کی بات پر یقین ہے... یہاں سے ہمارا کام شروع ہوتا ہے... ہم یہاں کسی سرائے یا ہوٹل میں ٹھہر کر اپنے اگلے سفر کا حساب کتاب لگائیں گے... آپ یہ بتا دیں... یہ سڑک کون سی ہے اور اس سڑک کو کون سا قصبہ یا شہر لگتا ہے... اور وہ یہاں سے

کس طرف ہے۔"

"جی ہاں کیوں نہیں... یہ شاہراہ اسقد ہے... یہاں سے دائیں ہاتھ تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے... اس کا نام راجا گاؤں ہے... وہ اچھا اور صاف ستھرا گاؤں ہے... اس طرف سے لمبے روٹ والی گاڑیاں وہیں رک کر اپنا سفر پھر سے شروع کرتی ہیں... وہاں اچھا کھانا اور اچھی رہائش ملتی ہے..."

"بہت خوب! تب ہم پہلے وہیں چلتے ہیں... آپ کو وہاں سے بس میں بٹھا دیں گے... اس طرح آپ تو ہو جائیں گے فارغ... پھر ہم اپنا پروگرام طے کریں گے... تیرہ گھنٹے سفر کیا... لہٰذا کچھ دیر ہم بھی آرام کریں گے..."

"اور یہ رہی آپ کے انعام کی اعلان کردہ رقم۔" انہوں نے جیب سے ایک بند لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"نہیں نہیں... میں نے یہ کام انعام کے لالچ میں نہیں کیا۔" اس نے پر زور انداز میں کہا۔

"یہ آپ کا حق ہے... آپ لے لیں۔"

"جی نہیں... لیکن آپ زیادہ ہی خواہش مند ہیں تو مجھے آنے جانے کا خرچ دے دیں، کیونکہ میں ملازم ہوں... ٹرکوں کے اڈے

یہ... یعنی وہ ٹرک میرا نہیں تھا۔

"تب تو یہ رقم آپ کے لیے اور بھی ضروری ہے۔"

"جی نہیں... میں گھر سے یہی سوچ کر چلا تھا... اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔"

"ہم آپ کو معاوضہ نہیں، انعام دے رہے ہیں۔"

"جی نہیں... یہ نہیں ہوگا۔"

"ہماری خواہش ہے... آپ یہ رقم رکھ لیں۔"

آخر بہت زیادہ مجبور کرنے پر اس نے رقم لے لی... اب وہ قصبے میں پہنچے... ڈرائیور انہیں خود ہی ایک اچھی سرائے میں لے آیا... وہ بھی شاید گزرتے ہوئے وہیں ٹھہرتا تھا... ہوٹل والوں نے اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملائے، ادھر اس نے ان لوگوں کے بارے میں بتایا... انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور انہیں ایک بڑا کمرہ دے دیا... ڈرائیور نے ان سے اجازت چاہی:

"بہتر ہوتا کہ آپ آج آرام کر لیتے... تھکے ہوئے ہیں۔"

"ڈرائیور کا تو دن رات کا کام ہی سفر کرنا ہے... لہذا میں تھکا ہوا نہیں ہوں... آگے چل کر رات کے وقت کچھ آرام کروں گا... پھر سفر شروع کروں گا... اس طرح کل دن میں کسی وقت اپنے گھر

پہنچ جاؤں گا۔"

"اچھا آپ ایک کام کریں... اپنا نام پتا اور موبائل نمبر نوٹ کروا دیں... کوئی ضرورت پڑی تو آپ سے رابطہ تو کر سکیں گے۔"

"جی اچھا۔"

اس نے نام پتا نوٹ کروا دیا... اور ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا... وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے... ایک بس وہاں تیار کھڑی تھی اور جا بھی اسی طرف رہی تھی جس طرف اسے جانا تھا... جلد ہی اس کی بس روانہ ہوگئی... انہوں نے ایک دوسرے کیلئے ہاتھ ہلائے... یہاں تک کہ بس نظروں سے اوجھل ہوگئی:

وہ اپنے کمرے میں آگئے... اب انہوں نے بیرے کو بلایا:

"جی صاحب! کیا چاہیے۔"

"کچھ معلومات چاہئیں۔" وہ مسکرائے۔

"جی کیا مطلب... معلومات۔"

"لیکن مفت نہیں... ہم معلومات کی قیمت بھی ادا کریں گے۔"

"معلومات کی قیمت... میں سمجھا نہیں۔"

"آپ سے ہم جو معلومات حاصل کریں گے... ان کے بدلے میں آپ کو کچھ رقم بھی دیں گے... شرط صرف یہ ہے کہ

معلومات بالکل درست ہوں۔"

"میں خدمت کے لیے تیار ہوں ... لیکن بھلا مجھے غلط بیانی کرنے کی کیا ضرورت ہے ... جو بات معلوم ہوگی، بتا دوں گا ... اور جو معلوم نہیں ہوگی... کہہ دوں گا کہ معلوم نہیں۔"

"آپ اچھے آدمی ہیں... آپ کی بات سن کر خوشی ہوئی۔"

"شکریہ۔" وہ مسکرایا۔

"آپ بیٹھ جائیں ... سرائے کے مالک اعتراض تو نہیں کریں گے کہ ہم نے آپ کو اتنی دیر کیوں روکے رکھا۔"

"اس کی ترکیب ہے۔" وہ مسکرایا۔

"اور وہ کیا۔"

"آپ ایک لمبا چوڑا سا آرڈر دے دیں... ظاہر ہے ... میں اس طرح آپ کی خدمت میں لگ جاؤں گا... پھر وہ نہیں پوچھیں گے ... میں نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔"

"اچھی بات ہے... لمبا چوڑا آرڈر لے آؤ۔"

"جی کیا فرمایا... لمبا چوڑا آرڈر لے آؤں۔"

"ہاں! آپ نے ہی تو یہ بات بتائی ہے۔"

"لیکن آرڈر تو آپ دیں گے۔"

"جو اچھی اچھی چیزیں ہیں ... سب لے آئیں ... اور ہماری طرف سے دو چار غریب لوگوں کو بھی بلا کر لے آئیں ... ہمارے کمرے میں ان کی دعوت ہو جائے گی۔"

"کیا واقعی۔"

"بالکل واقعی ... غریب لوگوں کو تلاش کرنا مشکل تو نہیں ہوگا آپ کے لیے؟"

"کیا بات کرتے ہیں صاب جی ... یہاں تو ان گنت لوگ غریب ہیں، مزدوری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں ... یہاں سرائے کے باہر گاڑیاں صاف کر کے دو روٹی کماتے ہیں۔"

"بس تو پھر ایسے سب لوگوں کا بلا کر لے آئیں۔"

"جی ... کیا فرمایا آپ نے ... ایسے سب لوگوں کو؟"

"ہاں سب لوگوں کو۔"

"لیکن ہوٹل کے باہر تو بیس پچیس آدمی مل جائیں گے۔"

"ہاں تو لے آؤ نا ... لیکن پہلے کھانا تو آ جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" وہ خوشی سے پھول گیا۔

جلد ہی ان کے کمرے میں ایک بڑی میز لگا دی گئی ... اور اس پر بہت سا کھانا لگا دیا گیا ... اس کے بعد بیرا گیا اور غریب لوگوں کو

لے آیا... وہ بہت حیران تھے اور بہت خوش بھی... سب نے ڈٹ کر
کھانا کھایا... انہوں نے بھی ان کے ساتھ کھانا کھایا:

''اور لوگ تو نہیں ہیں باہر۔''

''جی ہاں اور بھی ہیں۔''

''انہیں بھی بلا لیں اور اور کھانا لے آئیں۔''

''جی... جی اچھا... لل... لیکن۔''

''لیکن کیا۔''

''آپ نے کھانوں کے ریٹ نہیں پوچھے... ایسا نہ ہو بعد میں
آپ کو ادائیگی میں مشکل ہو۔''

''فکر نہ کریں... ایسا نہیں ہوگا۔''

''جی اچھا۔''

جب یہ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے تو اتنے ہی اور آگئے... اس
طرح وہاں آس پاس جتنے لوگ تھے... سب کے سب نے پیٹ بھر کر
کھانا کھایا اور انہیں خوب دعائیں دیں... اس کے بعد بیرا ان کے
کمرے میں آگیا:

''ہاں بھئی... کھانے کا بل لے آئے؟''

''جی ہاں... یہ بل مالک نے بنا کر دیا ہے... وہ حد درجے

حیران ہیں اور خوش بھی... کہہ رہے تھے... ان مہمانوں کا خیال رکھنا
... انہیں کوئی شکایت نہ ہو۔'' بیرے نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے... آپ اب فارغ ہیں۔''

''بالکل... کم از کم ہوٹل کا مالک آپ کے کمرے سے مجھے کسی
کام کے لیے نہیں بلائے گا۔''

''اوہ اچھا... آپ بیٹھ جائیں۔''

وہ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا... کمرے میں دو ڈبل
بستروں کے علاوہ کرسیاں بھی تھیں... ہال نما کمرہ تھا۔ اب انہوں نے
اس سے کہا: ''آپ کے اس ہوٹل پر عام طور پر ٹرک ڈرائیور تو ضرور
ٹھہرتے ہوں گے۔''

''جی بالکل! یہ ہوٹل ہے ہی ٹرک ڈرائیوروں کیلئے، ہر طرف
سے آنے والے ٹرک یہاں ٹھہرتے ہیں، ڈرائیور لوگ آرام کرتے
ہیں، کھانا کھاتے ہیں، چائے پیتے ہیں اور آگے چل پڑتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک... ان ٹرکوں پر بھلا کیا کچھ لدا ہوتا ہے۔''

ان کا سوال سن کر بیرے نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا،
پھر کہنے لگا:

''کیا مطلب... ٹرکوں پر ہر طرح کی چیزیں لدی ہوتی ہیں...

ٹرکوں [illegible] ہے ... ماں ادھر سے ادھر لے جاتا۔"

ہاں! لیکن آپ بتائیں ... ٹرکوں پر کیا کچھ لدا ہوتا ہے۔"

"ٹرکوں پر لوہا، لکڑی، کوئلہ ... ضرورت زندگی کی تمام چیزیں ادھر سے ادھر لے جائی جاتی ہیں۔" اس نے کہا۔

"خیر میں خود پوچھتا ہوں ... کیا پتھر نہیں لدے ہوتے۔"

"ہاں پتھر بھی لدے ہوتے ہیں۔"

"پتھر لدے ٹرک یہاں کس کس سمت سے آتے ہیں۔"

"پتھروں سے لدے ٹرک یہاں دو طرف سے آتے ہیں ... جس طرف آپ کو پہاڑ نظر آئیں گے ... اس طرف سے پتھر آتے ہیں ... لل... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

اس کی حیرت نے انہیں حیرت میں مبتلا کر دیا۔

☆☆☆

سفر کا آغاز

انہوں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں ... پھر انسپکٹر جمشید کے ہونٹ ہلے: "آپ کو کس بات پر حیرت ہوئی۔"

"آپ کے سوال پر ..." اس نے فوراً کہا۔

"اس سوال میں حیرت کی کیا بات ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"حیرت کی بات یہ ہے کہ پتھروں کے ٹرکوں کا آنا بھلا کون سی عجیب بات ہے ... ہمارے ملک میں جہاں پہاڑ ہیں ... وہاں پتھر توڑنے کا کام بھی ہوتا ہے ... کیونکہ ان پتھروں کی بہرحال ملک میں ضرورت ہوتی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ... ہم ایسی کچھ جگہوں کو دیکھنا چاہتے ہیں ... جہاں پتھر توڑے جاتے ہیں۔"

"اسی پر تو میں حیران ہوں ... آخر آپ کیا کریں گے ... ایسی جگہوں کو دیکھ کر۔"

"بس! ہم ذرا اس کام کا جائزہ لے رہے ہیں اس لئے۔"

"بس تو پھر آپ شاہراہ اسقد پر یہاں سے دائیں طرف مڑنے والی سڑک پر چلے جائیں تو ایسے بہت سے مقامات مل جائیں گے... اسی طرح بائیں طرف والی سڑک پر بھی آگے بہت آگے جا کر ایسی جگہیں مل جائیں گی۔"

"اوہ اچھا... کیا آپ ان جگہوں پر گئے ہیں کبھی۔"

"ہاں بالکل... میں تو کسی زمانے میں پتھر توڑتا بھی رہا ہوں... وہ تو بعد میں اس ہوٹل میں کام مل گیا... اور میں یہاں آگیا۔"

"بہت خوب... وہاں پتھر توڑنے کی مزدوری کتنی دی جاتی ہے بھلا؟"

"آج کل پانچ سو روپے روزانہ دیے جاتے ہیں، جس زمانے میں میں یہ کام کرتا تھا، اس زمانے میں تین سو روپے مزدوری تھی۔"

"اوہ اچھا... ہم ایسے مقامات تک جانا چاہتے ہیں... آپ کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں... کیا آپ ہمارے ساتھ چلنا پسند کریں گے... ہم آپ کو اس کام کا اچھا بھلا معاوضہ دیں گے۔"

"صاحب چلنے کو تو میں آپ کے ساتھ چل لیتا مگر میری ماں بیمار ہے اور مجھے اس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے اس لئے میں نہیں جا

سکوں گا۔"

"ہاں پھر تو کسی طور یہ مناسب نہیں ہوگا کہ آپ ہمارے ساتھ جائیں، خیر آپ نے سمت بتا دی اب ہم خود ہی تلاش کرلیں گے... ماں کی خدمت زیادہ ضروری ہے اور ہم جو آپ کو معاوضہ دینا چاہ رہے تھے وہ یہ رہا... یہ رکھ لیں۔"

"مگر کس بات کا معاوضہ صاحب میں نے تو کوئی کام کیا ہی نہیں۔" وہ حیران ہوتے ہوئے بولا۔

"آپ ہمارا کام کر دیتے مگر مجبوری ایسی آگئی ہے کہ آپ نہیں کر پا رہے مگر کوئی بات نہیں آپ کو یہ تو رکھنا ہی پڑے گا۔"

اور پھر ان کے مجبور کرنے پر اس نے وہ پیسے ان سے لے لیے تو انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اور ہاں ذرا ہوٹل کے مالک کو بھی بھیج دیں ان سے بھی تھوڑا حساب کتاب کرلیں۔"

اور پھر ذرا ہی دیر میں ہوٹل کا مالک دوڑا دوڑا چلا آیا۔

"جی جناب آپ نے بلایا۔"

"کھانے کا بل تو ہم نے آپ کو بھجوا ہی دیا ہے مگر اس وقت جو رہائش وغیرہ کا حساب کتاب ہے تو آپ اس وقت تک کا بل ہم

سے لے لیں ... مزید رقم بھی ہم ایڈوانس کے طور پر آپ کو دے دیتے ہیں ... تاکہ آپ کا اطمینان ہو جائے۔"

"اطمینان تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔" محمد شریف خان مسکرائے۔

انہوں نے حساب کتاب کے بغیر ہی کافی کرنسی نوٹ انہیں دے دیے اور بولے:

"آپ فی الحال یہ رکھ لیں ... حساب بعد میں کریں گے۔"

اتنے بہت سارے کرنسی نوٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ... اس نے گھبرا کر کہا:

"لل ... لیکن یہ تو بہت زیادہ ہیں۔"

"تو کیا ہوا ... بعد میں ہم حساب کر لیں گے نا ... ہماری طرف کچھ نکلے گا تو ہم ادا کریں گے ... ہمارا کچھ نکلے گا تو ہم لے لیں گے ... کیا خیال ہے۔"

"بہت نیک خیال ہے ..." اس نے خوش ہو کر کہا۔

"بس آپ جائیں ... ہمیں جو بھی ضرورت ہوگی تو ہم رمضان کو بلا کر بتا دیں گے۔"

"بہت مہربانی۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"یہ تو ہو گیا طے ... اب ہم آج تو آرام کریں گے ... کل سے مہم پر نکلیں گے۔"

"لیکن ابا جان!" ایسے میں فاروق بول اٹھا۔

"لیکن ابا جان کیا؟" وہ بولے۔

"مزہ نہیں آ رہا۔"

"مزے میں بس یہی بات تو بری ہے ... جب دیکھو آتا ہی نہیں۔" محمود بولا۔

"پہلے پوچھ تو لو مزہ کیوں نہیں آ رہا ہے۔"

"مزہ اس لیے نہیں آ رہا کہ انکل خان رحمان، پروفیسر انکل ساتھ نہیں ہیں ... آخر ہم اس بار انہیں کیوں ساتھ نہیں لائے۔"

"بات تو معقول ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بات معقول ہے تو پھر انہیں اب بھی ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"یہی میں کہتا ہوں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اچھی بات ہے ... لیکن اس سلسلے میں فون تم انہیں کرو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی اچھا۔"

فاروق نے پہلے خان رحمان کے نمبر ملائے ... سلسلہ ملتے ہی

ان کی حیرت زدہ آواز سنائی دی:

''ہائیں ... فاروق یہ تم ہو۔''

''جی ... جی لگتا تو یہی ہے۔'' اس نے فوراً کہا۔

''کیا کہا ... لگتا تو یہی ہے ... تو اصل بات بتاؤ نا۔''

''اصل بات یہی ہے کہ میں فاروق ہی ہوں۔''

''لیکن بھئی تم لوگ ہو کہاں۔''

''جی ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی اپنی خبر نہیں آتی۔''

''یہ جگہ کہاں ہے۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''ہم لوگ اس وقت دارالحکومت سے بہت دور ہیں اور آپ کو یاد کر رہے ہیں اور بلاوجہ نہیں کر رہے ... آپ ہمیں یاد آ رہے ہیں ... ہم چاہتے ہیں، آپ بھی آ جائیں۔''

''اچھی بات ہے ... یہ بتاؤ ... آنا کہاں ہے۔''

''یہ ابا جان بتائیں گے ... بلکہ شاید وہ بھی ہوٹل والوں سے پوچھ کر بتائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

انسپکٹر جمشید نے انہیں بتایا کہ وہ کہاں ہیں ... اور کس راستے سے انہیں آنا ہوگا ... کچھ راستہ انہوں نے ہوٹل کے مالک سے پوچھ

بھی بتایا۔

دوسرے دن خان رحمان اور پروفیسر داؤد ان کے پاس پہنچ گئے۔ وہ ان کے آنے پر بے تحاشہ خوش ہوئے۔ ادھر خان رحمان نے شکایت بھرے انداز میں کہا:

''سوال یہ ہے ... تم یہاں تک ہمارے بغیر کیوں آئے۔''

''بات دراصل یہ ہے خان رحمان اور پروفیسر صاحب کہ ہمیں خود اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کیس کے سلسلے میں ہمیں کہاں جانا پڑے گا اور کہاں نہیں جانا پڑے گا ... میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ آپ دونوں کو کیوں بلاوجہ دوڑ دھوپ میں مبتلا کریں۔''

''اور تم جو دوڑ دھوپ میں مبتلا ہو ... ہم بھی مبتلا ہو جاتے تو کیا حرج تھا بھلا۔'' پروفیسر داؤد نے بڑا سا منہ بنایا۔

''ہاں پروفیسر صاحب آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔''

''خیر اب آ گئے ہیں... گلے شکوے ختم۔'' خان رحمان مسکرائے۔

انہوں نے نکلنے کا پروگرام طے کر لیا ... رمضان کو بلایا گیا:

''ہاں بھئی ... رمضان صاحب صرف یہ بتا دیں کہ پہلے دائیں طرف جائیں یا بائیں طرف۔''

''یہ تو آپ کی مرضی ہے صاحب جی۔''

'' مرضی کی بات نہیں ... ان علاقوں کے رہنے والے آپ ہیں، آپ ہمیں بتائیں گے۔''

'' مجھے معلوم نہیں آپ کا مقصد کیا ہے، اگر مقصد معلوم ہو جاتا تو پھر میں زیادہ بہتر طور پر آپ کو راستہ بتا سکتا تھا۔''

'' بس ہمیں پتھر توڑنے والے مرکزوں کی سیر کرنی ہے۔''

'' تب پھر شاہراہِ اسقد کے چوک سے دائیں طرف والی سڑک پر چلنا بہتر ہوگا ... پہلے اس طرف کے مرکز دیکھ لیں ... پھر دوسری طرف کے۔''

'' بس ٹھیک ہے ... یہ طے رہا۔''

پہلے وہ اس مقام پر آئے جہاں گڈو اس ٹرک ڈرائیور کو ملا تھا ... اس جگہ چاروں طرف سڑکیں جا رہی تھیں ... انہوں نے دائیں طرف والی سڑک پر سفر شروع کیا ... اس وقت وہ خان رحمان کی بڑی اور آرام دہ ترین گاڑی میں تھے ... رمضان اور محمد شریف خان نے اس گاڑی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا تھا ... اتنی بڑی اور تمام سہولتوں والی گاڑی شاید انہوں نے پہلی بار دیکھی تھی۔

اور ابھی انہوں نے چار سے پانچ کلومیٹر کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ فضا میں ایک فائر کی آواز گونجی... وہ بری طرح چونکے ...

کیونکہ ابھی تو ان کا سفر شروع ہی ہوا تھا... فائر کی آواز کا تو وہاں کوئی کام ہی نہیں تھا...

خان رحمان نے فوراً گاڑی روک دی۔

اسی وقت انہوں نے دس کے قریب فوجی سڑک پر کھڑے دیکھے۔

وہ انہیں رکنے کا اشارہ کر رہے تھے:

☆☆☆

کتے

وہ دس کے دس افراد ان کے قریب آگئے ... ان سب کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں:

''جی ... فرمایئے۔''

''آپ اس طرف کہاں جانا چاہتے ہیں ... کیا آپ کو پتا نہیں ... یہ شاہراہ عام نہیں۔''

''کیا کہا آپ نے ... یہ شاہراہ عام نہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں! یہ شاہراہ عام نہیں ہے ... مطلب یہ کہ چیکنگ کرا کے اور اپنے کاغذات جمع کروا کے جا سکتے ہیں۔''

''لیکن ہمیں تو کسی نے ایسا کچھ نہیں بتایا کہ اس طرف جانے پر پابندی ہے۔''

''آنے جانے پر پابندی نہیں، چیکنگ کروا کے جا سکتے ہیں۔''

''اوہ تب تو ٹھیک ہے ... آپ چیکنگ کریں۔''

ان کی گاڑی کی تلاشی لی گئی ... ان کی بھی تلاشی لی گئی ... پھر اسلحہ اور سامان جمع کرانے کے بعد کہا گیا:

''اسلحے کے بغیر تو ہم نہیں جائیں گے۔''

''کیوں؟'' فوجی نے حیران ہو کر کہا۔

''اس لیے کہ آگے کوئی خطرہ پیش آگیا تو ہم اپنا دفاع کس طرح کریں گے۔''

''اس طرف کوئی خطرہ نہیں ہے ... ہم یہاں اسی لیے تو موجود ہیں ... کسی کو اسلحہ لے کر نہیں جانے دیتے ...''

''سوال یہ ہے کہ کیوں؟'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''آگے مزدور لوگوں کی آبادیاں ہیں ... وہ مسلح تو ہوتے نہیں ... وہ قبائلی قسم کے لوگ ہیں ... اب اگر مسلح لوگ اس طرف جائیں گے تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں تو ایسا کوئی قانون نہیں ... ہاں اگر یہ علاقہ پرائیویٹ ہے تو اور بات ہے ... لیکن ظاہر ہے، یہ پورا علاقہ پرائیویٹ کس طرح ہو سکتا ہے۔''

''یہ تو ہمیں پتا نہیں ، کیونکہ ہم تو حکم کے غلام ہیں ... اوپر

سے جو حکم ملے گا ... ہم تو اسی پر عمل کریں گے نا۔''

''آپ کا بیگار کیمپ یہاں کہاں ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''یہاں سے بائیں طرف وہ نشیبی سڑک جا رہی ہے نا ... اس پر ہمارا بیس کیمپ ہے۔''

''ٹھیک ہے ... پہلے ہم آپ کے آفس سے بات کرتے ہیں ... پھر اسلحہ جمع کرائیں گے۔''

فوجی نے بغیر کچھ کہے لاپروائی سے کندھے اچکا دیے۔

انہوں نے خان رحمان کو اشارہ کیا کہ گاڑی اس طرف موڑ لیں ... کئی منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد انہیں ایک چھوٹی سی عمارت نظر آئی ... چار فوجی موجود تھے ... انہوں نے حیران ہو کر ان کی گاڑی کو دیکھا ... اتنے میں وہ نیچے اترے:

''جی جناب!'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہم لوگ تفریحی دورے پر ہیں ... شاہراہ اسقد سے شمالی سڑک کی طرف آئے تو ہمیں روک لیا گیا کہ آپ لوگ اس طرح اسلحہ جمع کرائے بغیر نہیں جا سکتے اور کاغذات بھی ... ہم نے ان سے پوچھا ... کیا یہ علاقہ ہمارے ملک میں شامل نہیں، انہوں نے بتایا کہ ملک میں تو شامل ہے ... لیکن آگے غریب لوگوں کی بستیاں ہیں ... اس

طرف کسی کو اسلحہ لے کر جانے کی اجازت نہیں ... کیا ایسا ہی ہے جناب۔''

''جی ہاں! ایسا ہی ہے۔''

''آپ مجھے دکھائیں ... ایسا کس قانون کے تحت ہے ... یہ ہمارے ساتھ ریٹائرڈ فوجی ہیں ... اور اپنے ملک کے قوانین کو ہم لوگ جانتے ہیں۔''

''آپ دفتر میں آجائیں ... ہم آپ کو سرحدی قوانین دکھا دیتے ہیں ... سرحدی علاقوں کے قوانین ذرا مختلف ہوتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ... دکھائیں۔''

وہ اندر آگئے ... ان کا انچارج وہاں موجود تھا ... فوجی نے اسے بتایا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں، وہ سن کر مسکرایا اور دفتر کی الماری سے ایک فائل نکال کر کھولی اور ان کے سامنے کر دی ... وہ اس پر جھک گئے ... جلدی جلدی اسے پڑھا ... اس میں قبائلی قوانین کے تحت یہی لکھا تھا کہ ان علاقوں میں جانے والوں کو اسلحے سمیت نہیں جانے دیا جائے گا ... کاغذات بھی جمع کیے جائیں گے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... قانون وزارت داخلہ کی طرف سے تھا ... وزارت داخلہ کی مہر بھی لگی ہوئی تھی:

'' ٹھیک ہے ... اگر قانون یہی ہے تو ہم اپنے کاغذات اور اسلحہ تھوڑی دیر میں جمع کرا دیتے ہیں ... لیکن دارالحکومت جا کر ہم اس قانون کی چھان بین کریں گے۔''

'' اس سے آپ کو کون روک رہا ہے۔'' آفیسر نے منہ بنایا۔

'' ٹھیک ہے ... آپ کا شکریہ ... آؤ بھئی چلیں۔''

وہاں سے وہ واپس پیچھے ہٹ آئے شاہراہ اسقد کی طرف یعنی جہاں سے چلے تھے ... اس وقت خان رحمان بولے۔

'' میرا خیال ہے ... یہ لوگ اصلی فوجی نہیں ہیں ... ہم یہاں کہیں رک کر کرنل امجد خان سے بات کرتے ہیں ... انہوں نے ان علاقوں میں کافی مدت گزاری ہے ... درست صورت حال وہ بتائیں گے۔''

'' کرنل امجد خان۔''

''ہاں ! میرے دوست ... وہ بھی ریٹائرڈ ہیں۔''

'' ٹھیک ہے ... تم ان سے بات کرو ...''

انہوں نے سر ہلا دیے ... ادھر خان رحمان نے اپنے دوست سے رابطہ کرنے کی کوشش شروع کی ... آخر پندرہ منٹ بعد سلسلہ مل گیا: '' السلام علیکم کرنل صاحب ... خان رحمان بات کر رہا ہوں۔''

'' آہ میرے دوست ! بہت مدت بعد آپ کی آواز سن رہا ہوں ... خوشی ہوئی۔''

'' شکریہ ! آپ سے کچھ معلومات لینی ہیں ... آپ بہت عرصے تک شاہراہ اسقد کے علاقے میں رہے ہیں ... یہاں کے سرحدی علاقوں کی طرف آنے جانے میں کیا کوئی الگ قانون ہے۔''

'' الگ قانون سے کیا مراد۔''

'' مثلاً ہم ان علاقوں کو دیکھنا چاہتے ہیں ... لیکن ہمیں اسقد چوک پر روک لیا گیا ... یہاں کچھ فوجی مقرر ہیں ... انہوں نے ہم سے کہا کہ آپ اس طرف جانے سے پہلے اپنا اسلحہ اور کاغذات جمع کرائیں۔''

'' ہائیں ! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔'' ان کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔

'' تو ایسا کوئی قانون نہیں ...''

''کم سے کم میری اور آپ کی ملازمت کے وقت تو ایسی کوئی بات نہیں تھی ... بعد میں کوئی قانون بنا ہو تو مجھے معلوم نہیں۔''

'' تب پھر یہ بات کس سے پوچھی جائے۔''

'' یہ تو پھر وزارت دفاع ہی بتائے گی۔''

'' اچھی بات ہے ... آپ کا شکریہ ۔''

اب انہوں نے وزارت دفاع کے ایک دوست کو فون کیا... ان کا نام علیم الدین خواجہ تھا۔ ان کی آواز سن کر علیم الدین صاحب نے بھی خوشی کا اظہار کیا... پھر ان کی بات سن کر بولے:

'' بھئی خان رحمان! ایسا کوئی قانون ہے تو نہیں... میں ابھی کور کمانڈر سے بات کر کے اس طرف کے فوجی دستے کو مطلع کرتا ہوں... وہ ان لوگوں کو چیک کر کے گرفتار کریں گے ... آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریں۔''

'' اوہ اچھا۔'' انہوں نے کہا اور واپس اس چوک کی طرف چل پڑے... وہ وہاں پہنچے ہی تھے کہ فوجی گاڑیاں آتے دیکھیں۔ چوک پر آکر وہ گاڑیاں رک گئیں... لیکن اس وقت چوک پر وہ پہلے والے فوجی موجود نہیں تھے۔

گاڑیوں سے اتر کر فوجی ان کے نزدیک آگئے:

'' آپ انسپکٹر جمشید ہیں... '' ان میں سے ایک نے پوچھا۔

'' جی ہاں!''

'' ہمیں علیم الدین خواجہ صاحب کی طرف سے ہدایات ملی ہیں کہ آپ کی ہدایت پر عمل کریں... اب جو آپ حکم دیں گے، ہم وہ

کریں گے۔''

'' سب سے پہلے ہمیں ان لوگوں کی تلاش ہے... جو فوجیوں کے روپ میں یہاں نہ جانے کب سے ڈیوٹی دے رہے تھے اور لوگوں کا اسلحہ اور کاغذات روک لیتے تھے۔ انہوں نے یہاں باقاعدہ ایک دفتر بنا رکھا ہے ... ان کے پاس جعلی کاغذات بھی ہیں ... جن کے ذریعے سے وہ خود کو فوجی ثابت کرتے ہیں اور تلاشی کا قانون بھی دکھاتے ہیں ... وہ یہاں اس چوک پر ڈیوٹی دیتے ہیں ... آپ انہیں تلاش کریں، مل جائیں تو حراست میں رکھیں ... ہم یہاں رک نہیں سکتے ... ورنہ ان کی گرفتاری تک یہاں ٹھہرتے اور ان سے دو دو باتیں کر کے جاتے۔''

'' آپ فکر نہ کریں، ہم انہیں گرفتار کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے ... اور کچھ؟'' ان کے انچارج نے پوچھا۔

'' اس کے علاوہ ایک اور ضروری کام ہے ... اس چوراہے پر جس طرف سے بھی پتھروں سے بھرا ٹرک آئے... اس کی چیکنگ کرنی ہے ... ڈرائیور اور کنڈکٹر کا نام ٹرک کا نمبر نوٹ کرنا ہے ... اور پتھر کہاں جا رہا ہے ... کہاں سے آیا ہے ... یہ سب معلومات ایک رجسٹر میں درج کرتے جائیں، ہم آپ سے وہ رجسٹر لے لیں گے۔''

''او کے سر!''

''شکریہ! اب ہم اپنا سفر شروع کرتے ہیں۔''

''اللہ آپ کی مدد فرمائے۔''

''آمین!'' ان سب کے منہ سے نکلا۔

اب ان کا سفر ایک بار پھر شروع ہوا... اس طرف سے ان کا اطمینان ہوگیا تھا، کیونکہ اب وہاں جعلی فوجی نہیں تھے... ان جعلی فوجیوں کا مطلب یہ تھا کہ وہاں ضرور غلط کام ہو رہا تھا... وہ غلط کام کیا ہو رہا تھا، اس کا جائزہ ضروری تھا... لیکن انہیں بہرحال آگے جانا تھا، اس لیے انہیں علیم الدین خواجہ کی ہدایت پر بھیجے گئے فوجیوں پر انحصار کرنا پڑا۔

ان کی گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی... یہاں تک کہ تین گھنٹے کے سفر کے بعد انہیں ایک آبادی نظر آئی... یہ پہلی آبادی تھی... جو اس طویل سفر کے دوران نظر آئی تھی... ورنہ اب تک کا راستہ بالکل سنسان اور پتھریلا ثابت ہوا تھا:

''اللہ کا شکر ہے... کسی آبادی کے آثار تو نظر آئے... میں تو سمجھا تھا... زندگی اس سڑک پر گزر جائے گی اور کوئی آبادی نظر نہیں آئے گی...'' فاروق کی آواز سنائی دی تو انہیں مسکرانا پڑ گیا۔

''اور ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تمہاری آواز سنائی دی، ہم تو سمجھے تھے کہ اس سارے سفر کے دوران فاروق کچھ نہیں بولے گا۔'' محمود ہنسا۔

''کچھ نہ بولیں ہمارے دشمن۔'' فاروق نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔

''آمین۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''کیا خیال ہے جمشید... اس آبادی میں تھوڑی دیر قیام نہ کریں... کچھ معلومات بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔'' خان رحمان نے کہا۔

''بالکل ٹھیک... اس پہاڑی سفر نے تو انجر پنجر ڈھیلے کر دیے ہیں۔'' پروفیسر داؤد کراہتی ہوئی آواز میں بولے تو انہیں ہنسی آ گئی۔

انہوں نے گاڑی ایک پتلی سی سڑک پر اتار دی... وہ سڑک اس آبادی کے رہائشی علاقے کی طرف جا رہی تھی... پھر جونہی وہ ان گھروں کے قریب پہنچے... چند خونخوار کتے ان کی گاڑی کی طرف چھلانگیں لگا کر آتے نظر آئے... وہ خوفناک انداز میں غرا رہے تھے۔ ان کی گاڑی کے شیشے تو بند ہی تھے کیونکہ گاڑی میں ایئرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ اس لئے وہ بیٹھے دیکھتے رہے... آخر کتے نزدیک آ گئے... وہ تعداد میں پانچ تھے اور بہت قد آور تھے۔ وہ اچھل اچھل کر گاڑی پر

حملہ کرنے لگے۔ حملہ کرتے تھے، گاڑی سے ٹکراتے تھے اور پیچھے جا گرتے تھے ... پھر انہوں نے تین چار لمبے قد کے لوگوں کو آتے دیکھا۔ ان کے صرف قد ہی لمبے نہیں تھے، وہ چوڑے چکلے بھی تھے ... بہت مضبوط ہاتھ پیر کے مالک بھی تھے ... جب وہ گاڑی کے بالکل نزدیک آگئے تو انسپکٹر جمشید نے تھوڑا سا شیشہ گرایا تاکہ ان کی آواز سن سکیں: ''کون ہو تم لوگ اور اس طرف کس لیے آئے ہو ...'' لہجہ ناخوشگوار تھا۔

''کیا یہ تم لوگوں کا ذاتی علاقہ ہے ...''

''یہ سب گھر ہمارے ہیں ... اس لیے یہ علاقہ ہمارا ذاتی علاقہ ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''نہیں اس طرح کوئی علاقہ ذاتی نہیں بن جاتا، ہاں یہ گھر تمہارے ذاتی ضرور ہیں، وہ بھی اس صورت میں کہ یہ تمہارے خریدے ہوئے ہوں، لیکن ان کے آس پاس کی اور اردگرد کی زمین تمہاری ذاتی نہیں ہے ... ملک کا کوئی شہری بھی یہاں آ جا سکتا ہے۔''

''اس بات کو چھوڑو ... یہ بتاؤ کون ہو اور ادھر کیسے آئے ہو۔''

''ہم ان علاقوں کی سیاحت کے لیے نکلے ہیں ... لمبے سفر کے بعد یہ آبادی نظر آئی تھی ... ہم نے سوچا ... یہاں کہیں ٹھہر کر کچھ ستا

لیں ... کچھ کھا لیں ... تو آگے چلے چلیں گے۔''

''ہم لوگ کسی کی بھی بغیر معاوضے کے مہمانی نہیں کرتے ... تم لوگ ٹھہرنا چاہو تو خالی مکان بھی دے سکتے ہیں اور کھانا بھی ... لیکن ... مال خرچنا پڑے گا۔'' اس نے کہا۔

اس دوران کتے برابر اچھل کود مچا رہے تھے ... آخر اس نے ان کتوں کو ڈانٹا: ''چپ۔''

اس کے اتنا کہتے ہی کتے اس طرح خاموش ہو گے جیسے لفظ چپ کا مطلب خوب سمجھتے ہوں ... اور دمیں ہلانے لگے۔

''ہم معاوضہ دیں گے ... مفت میں کچھ نہیں لیں گے۔''

''بس تو پھر آ جاؤ ... گاڑی آگے لے آؤ۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے مکانات کی طرف بڑھ گئے ... خان رحمان نے گاڑی ان کے پیچھے لگا دی ... جلد ہی وہ ایک سرائے نما مکان تک پہنچ گئے ... اس کے باہر پرانی طرز کی چارپائیاں بچھی تھیں ... ان پر لوگ کھانا کھا رہے تھے یا چائے پی رہے تھے ... سرائے کے باہر کچھ ٹرک بھی کھڑے تھے ... لیکن ان پر پتھر نہیں لدے ہوئے تھے ... وہ خالی تھے ... غالباً پتھر لادنے کے لیے جا رہے تھے ... یہ دیکھ کر انہوں نے سوچا، ان ٹرکوں کے ڈرائیوروں سے بھی معلومات لی جا سکتی

ہیں ...

'' آؤ بھائی صاحب ... آپ کو ان چارپائیوں پر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ... کیونکہ آپ کو تو یہاں ٹھہرنا ہے۔''

یہ جملہ ادا کرنے والا وہی شخص تھا جو اب تک ان سے نہایت اکھڑ لہجے میں بات کرتا رہا تھا ... اب پہلے بار اس نے انہیں تم کے بجائے آپ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

'' ہاں! ہم رات یہیں گزاریں گے، صبح آگے جائیں گے۔''

'' ٹھیک ہے۔''

وہ انہیں اندر لے آیا ... وہ پرانی دیواروں والا بڑا سا کمرہ تھا ... انہوں نے ایک نظر ڈالی ... ان کے رہنے کے قابل کسی صورت نہیں تھا، لیکن کیا کیا جا سکتا تھا:

'' آپ اپنا سامان یہاں سیٹ کر لیں ... ہم ابھی آتے ہیں. پھر آپ سے معلوم کریں گے، آپ کیا کھانا پینا پسند کریں گے۔''

'' ٹھیک ہے۔'' خان رحمان نے سر ہلایا۔

ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید مسکرا دیے، پھر خان رحمان سے بولے: '' مبارک ہو خان رحمان۔''

''خیر مبارک ... لیکن یہ مبارک کس خوشی میں۔''

'' ان لوگوں کو تمہاری گاڑی بہت پسند آ گئی ہے۔''

'' کیا مطلب؟''

'' بہت للچائی ہوئی نظروں سے گاڑی کو دیکھ رہے تھے۔''

'' تت ... تمہارا مطلب ہے ... وہ میری گاڑی کو ہتھیانے کی کوشش کریں گے۔''

'' اندازہ ... جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔''

'' لیکن ابا جان ... ہمارے پاس تو ایسی بہت سی چیزیں ہیں ... جو انہیں گاڑی سے بھی زیادہ پسند آئیں گی۔''

'' ان چیزوں کو ابھی انہوں نے دیکھا کب ہے ... لیکن گاڑی کو دیکھ کر وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے پاس قیمتی چیزیں ہیں، لہذا آج رات یہ ہمیں لوٹنے اور ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں گے۔''

'' ارے باپ رے ... تو پھر نکل چلیے یہاں سے۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''حد ہو گئی ... بزدلی اسے کہتے ہیں ... چلے تھے بیگار کیمپ کی تلاش میں۔'' فرزانہ نے جل کر کہا۔

'' اور ایک بات بھی یاد رکھو۔'' انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

'' ایک کیا ... ہم تو دو تین بلکہ آٹھ دس بھی یاد رکھنے کے لیے

تیار ہیں۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''وہ ہمیں ختم کرنے کے لیے کتوں کی مدد لیں گے۔''

''ارے باپ رے... آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں، ان کے کتے تو بہت خوفناک ہیں۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے۔'' خان رحمان نے فوراً کہا۔

''آمین۔'' سب ایک آواز ہو کر بولے۔

اسی وقت انہوں نے قدموں کی آہٹ سنی... جلد ہی ہوٹل والا اندر داخل ہوا:

''اب فرمائیں... کھانے کا کیا انتظام کیا جائے۔''

''آپ اپنے ساتھیوں کو کہیں بھیج آئے ہیں شاید۔'' انسپکٹر جمشید سنی ان سنی کرتے ہوئے بولے۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

''اب آپ اکیلے ہیں نا... اس لیے کہہ رہا ہوں۔''

''ہاں! یہی بات ہے... لیکن وہ لوگ ہوٹل میں ہی ہیں... اب کھانے کا آرڈر لینے تو سب ایک ساتھ مل کر نہیں آئیں گے نا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ کچھ اس طرح جیسے کہہ رہا ہو کہ جب تمہیں ٹھکانے لگانے کی نوبت آئے گی تو اس وقت سب مل کر آئیں

گے۔

''اچھی بات ہے... آپ ہمارے لیے کھانا لے آئیں۔''

''یہی تو پوچھنے آیا ہوں کہ کیا لاؤں... آپ بتا دیں... کیا کچھ لے آؤں۔'' وہ ایک بار پھر مذاق اڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

انہیں غصہ تو بہت آیا لیکن خون کے گھونٹ پی کر بولے:

''جو جو کچھ ہے... لے آئیں۔''

''بہت بہتر۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔

''تیار ہو جاؤ... یہ لوگ حملہ کریں گے۔''

''لیکن دن میں کیسے جمشید۔'' خان رحمان نے کہا۔

''دن میں نہیں... رات کو۔''

''اللہ مالک ہے۔''

اور پھر وہ کھانا لے آیا... کھانا میز پر رکھ کر وہ چلا گیا... کھانے کی خوشبو نے انہیں بے چین کر دیا۔ ان قبائلی علاقوں کے کھانے کی مہک ویسے بھی بھوک چمکا دینے والی ہوتی ہے۔ شاید یہ تازہ سبزیوں کی وجہ سے ہوتا ہے یا لکڑیوں کی آگ اور دھوئیں کے ساتھ مٹی کی سوندھی خوشبو بھی اس میں شامل ہوتی ہے... انسپکٹر جمشید کو ایسے دیہاتی ماحول میں پکا ہوا سرسوں کا ساگ اور ماش کی دال

بہت پسند تھے اور دیگر کھانوں کے ساتھ یہ دونوں ہی چیزیں ان کے سامنے رکھے برتنوں میں سجی تھیں۔ پروفیسر داؤد کی من پسند مٹن کڑاہی بھی ان کے صبر کا جیسے امتحان لے رہی تھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید کی سرگوشی سنائی دی:

"خبردار۔"

وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں:

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ ہمیں یہ کھانا نہیں کھانا چاہیے ... پہلے اسے چیک کر لیتے ہیں۔"

"اوہ ہاں۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"لیکن یہاں بلی کا انتظام کیسے کریں۔" پروفیسر بولے۔

"ایک منٹ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور کھڑکی سے باہر جھانکا ... کھڑکی سڑک کی طرف تھی ... اسی طرف سرائے کا دروازہ تھا۔ انہیں نیچے دو کتے بھونکتے نظر آئے ... جن سے ان کا بھی واسطہ پڑ چکا تھا۔ انہوں نے چند بوٹیاں اٹھا کر ان کتوں کی سیدھ میں گرا دی۔ بوٹیاں عین کتوں کے پاس گریں ... پہلے تو وہ خوفزدہ انداز میں اچھلے ... پھر فوراً ہی بوٹیوں کو کھانے میں مصروف ہوگئے:

"لیکن ابا جان! یہ ضروری نہیں کہ بوٹیوں میں کوئی چیز ہو ... یہاں اور بھی کئی کھانے ہیں۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"فکر نہ کرو ... میں تمام کھانوں میں سے تھوڑا تھوڑا نیچے گراؤں گا۔"

انہوں نے سر ہلا دیے ... اب انہوں نے باقی کھانوں میں سے بھی تھوڑا تھوڑا نیچے گرا دیا ... کتے ان چیزوں کو بھی چٹ کر گئے ... وہ سب کھڑکی میں سے انہیں غور سے دیکھ رہے تھے ... کمرے کا دروازہ انہوں نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ آخر فاروق نے کہا۔

"اس کھانے میں کچھ نہیں ہے ابا جان ... آئیے کھانا شروع کریں۔"

"ابھی کچھ دیر اور انتظار کر لیتے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"میں بھی ..."

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ...

انہیں عجیب منظر نظر آیا۔

☆☆☆

سرائے

نیچے کتے کسی پھرکی طرح چکر کاٹ رہے تھے .... وہ منہ سے اپنی دموں کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کوشش میں بری طرح گھوم رہے تھے ... انہیں اس طرح گھومتے دیکھ کر آس پاس کے لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے ... لیکن انہیں کسی بات کا ہوش نہ تھا ... وہ تو بس چکر کاٹنے میں لگے تھے ... یوں لگتا تھا جیسے ان پر چکر کاٹنے کا بھوت سوار ہو گیا ہو:

'' اللہ کا شکر ہے ۔'' انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی ۔

'' ویسے تو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے... لیکن اس وقت آپ نے خاص طور پر یہ کیوں کہا ۔''

'' اس لیے کہا کہ ہم نے یہ کھانا نہیں کھایا ... ورنہ ہم بھی ان کی طرح اس وقت چکر کاٹ رہے ہوتے اور ہمارے آس پاس تو ہمیں دیکھنے والے بھی نہ ہوتے ۔''

'' ہوں واقعی ... یہ بات تو اللہ کا شکر ادا کرنے والی ہے ۔''

انہوں نے سر ہلا دیے ۔

پھر کتے بے دم ہو کر گرتے چلے گئے :

'' ارے یہ کیا ہوا۔'' کتوں کے پاس کھڑا ایک شخص مارے خوف کے چلایا ۔

'' کیا ہوا ؟ '' کسی کی آواز سنائی دی ۔

'' کتے بالکل ساکت ہو گئے ... جیسے ان میں جان نہ ہو ۔''

'' بے تحاشہ گھومے ہیں نا ... میرا خیال ہے تھک کر سو گئے ہیں ۔'' تماشائیوں میں سے ایک نے کہا ۔

'' اوہ ہاں ... ضرور یہی بات ہے ۔''

ادھر وہ اوپر سے کتوں کو بغور دیکھ رہے تھے ... لیکن ان کے جسموں میں ذرہ بھر بھی حرکت نظر نہیں آئی :

'' یہ مرے نہیں ہیں ... صرف بے ہوش ہیں ... لیکن ممکن ہے ان میں سے ایک آدھ مر بھی جائے ۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

'' اوہ ... اوہ ۔''

'' لیکن ابھی کتوں کے مالکان کو پتا نہیں چلا ۔''

'' ظاہر ہے ... انہیں پتا چل جائے گا ۔''

''کوئی پروا نہیں، چلتا ہے تو چل جائے۔''

''لیکن اب ہوگا کیا؟'' فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

''دیکھا جائے گا... محمود دروازے کی چٹخنی گرا دو... یہ لوگ بس آتے ہی ہوں گے... انہیں علم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم خبردار ہیں...''

محمود نے آگے بڑھ کر چٹخنی گرا دی...

اور پھر انہوں نے کمرے کے دروازے پر دستک کی آواز سنی... انہوں نے فوراً کھانا ایک شاپر میں ڈال لیا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے... دروازہ اندر سے بند نہیں تھا، اس لیے دوبارہ دستک دینے پر وہ تھوڑا سا کھل گیا:

''آؤ بھئی... دروازہ اندر سے بند نہیں ہے... لہٰذا تڑوانا نہیں پڑے گا۔'' سرائے کی آواز سنائی دی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''

عین اسی لمحے باہر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی:

''استاد... استاد... ہمارے کتے۔''

''ہائیں کیا کہا... میں تمہارا کتا۔'' سرائے والا گرجا۔

''نن نہیں... یہ بات نہیں۔'' وہ بوکھلا اٹھا۔

''یہ بات نہیں تو پھر... تمہارا دماغ تو خراب نہیں۔''

''نیچے کتے لمبے لیٹے ہوئے ہیں... لوگ ان کے گرد جمع ہو چکے ہیں... معلوم ہوا کہ لمبے لیٹنے سے پہلے وہ خوب ناچتے رہے ہیں۔''

''کیا... نہیں۔'' سرائے والا چلا اٹھا۔ اس کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''آپ کو کیا ہوا استاد۔''

''یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔'' استاد بھنا گیا۔

''ہمیں بھی ابھی معلوم ہوئی ہے... دراصل ہم سب تو سرائے کے اندر اپنے اپنے کام میں مصروف تھے، باہر کی خبر ہی نہیں ملی۔''

''ہوں... شاید ان لوگوں نے کتوں کی طرف کچھ بوٹیاں گرائی تھیں... پھر خود کھانا کھایا تھا، لیکن خیر... یہ خود کون سا ہوش میں ہیں... انہیں اٹھا کر تہہ خانے میں لے چلو... اسی تہہ خانے میں جس میں ہم پہلے بھی مال دار گاہکوں کو لے جاتے رہے ہیں۔''

''کیا یہ مر چکے ہیں استاد۔''

''ارے نہیں... بے ہوش ہیں... انہیں مارنے کا کیا فائدہ... یہ زندہ حالت میں ہمارے لیے زیادہ فائدہ مند ہیں۔''

ان سب نے مل کر انہیں اٹھایا اور لے چلے... کچھ دیر بعد استاد کی آواز سنائی دی:

''ٹھیک ہے ... انہیں یہاں لٹا دو اور رسیوں سے باندھ دو۔''

''اچھی بات ہے استاد۔''

اس وقت فاروق نے گھبراہٹ محسوس کی ... یہ سوچ کر کہ اگر انہیں باندھ لیا گیا تو پھر خود کو کھولنے میں وقت ضائع ہوگا ... تو اس سے پہلے ہی کیوں نہ نبٹ لیا جائے۔

ابھی اس نے یہ بات سوچی ہی تھی کہ تہہ خانے میں انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی: ''رہنے دو بھائی ... باندھنے کی کیا ضرورت ہے ... ہم آپ لوگوں کا کام بغیر باندھے ہی کر دیں گے۔''

وہ اچھل پڑے ... آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی:

''تو تم ہوش میں ہو۔''

''کیا کیا جائے ... مجبوری ہے۔''

''خیر کوئی بات نہیں ... تم یوں بھی ہمارے نشانے پر ہو ... کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھنا۔'' وہ سفاکی سے ہنسا۔

''اچھی بات ہے ... لیکن ہمیں کیا پتا ... تمہارے نزدیک غلط حرکت کیا ہے۔''

''استاد ... بہتر یہی ہے کہ ہم ان لوگوں کو باندھ لیں، اس کے بعد ہمارا کام آسان ہوگا۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے ... باندھ لیا جائے۔'' اس نے کہا۔

اب وہ رسیاں لے کر ان کی طرف بڑھے ... وہ کل دس تھے ... استاد گیارہواں تھا ... رسیاں لے کر ان کی طرف صرف چار آئے تھے ... باقی رائفلیں لیے چوکس کھڑے تھے ... اب جونہی ان میں سے ایک انسپکٹر جمشید کے قریب آیا، انہوں نے اس کی گردن دبوچ لی:

''اپنے ساتھیوں سے کہو ... مجھ پر فائرنگ کریں.. ساری گولیاں پہلے تمہارے بدن میں داخل ہوں گی''

''نن نہیں ... کوئی فائر نہ کرے ... ورنہ میں مارا جاؤں گا۔''

''فکر نہ کرو جانی ... مارے یہ جائیں گے ... ہم نہیں ... باقی سب لوگ خنجر بھی نکالو ... '' اس نے کہا۔ اب اس کے ساتھیوں نے ایک ایک خنجر بھی دوسرے ہاتھوں میں تھام لیا:

''ان میں سے جو بھی حرکت کرے ... خنجر اس کے جسم میں اتار دینا... میں سورما کو دیکھتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ ان کی طرف بڑھا:

''پہلے اپنے سورما سے بات کر لو۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اس کی جان پر بنی ہے ... جونہی تم مجھ پر وار

کرو گے... یا کوئی بھی حرکت میرے خلاف کرو گے ... اس کی گردن ٹوٹ جائے گی۔"

"اوہ!" استاد ہکلایا۔

"پوچھ لو اس سے۔"

"کیوں خالی۔"

"یہ ... یہ ٹھیک کہہ رہا ہے استاد۔"

"اچھی بات ہے خالی... تمہاری خاطر ہم کوئی حرکت نہیں کریں گے۔"

"شکریہ استاد۔" خالی کی جان میں جان آئی۔

"اب بتاؤ ... تم کیا چاہتے ہو۔"

"ہم ... بس تم لوگوں کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے ... لیکن لگتا ہے تم ہمارے بھی استاد ہو۔"

"اب کیا ارادے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"آپ لوگ ہمارے مہمان ہیں ... ہم معافی چاہتے ہیں... آپ یہاں جب تک چاہیں رہیں ... ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"پکی بات ہے۔"

"بالکل پکی ... ہم لوٹ مار میں جتنے پکے ہیں ... زبان کے بھی

تے ہی پکے ہیں۔" استاد نے فوراً کہا۔

"آپ لوگ آرام کریں ... ہم آپ کے لیے کھانا تیار کرواتے یں۔"

"لیکن ... کھانا ایسا نہیں ہونا چاہیے جیسا تم نے پہلے بھیجا تھا۔"

"نن نہیں ... بالکل نہیں۔"

"ایک بات اور ..." انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اگر تم لوگوں نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو ہم معاف یں کریں گے ، اس بار تو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔"

"بالکل ، دھوکا نہیں ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ چلے گئے... وہ کرسیوں پر آ بیٹھے:

"آپ کا کیا خیال ہے ، ان کے بارے میں۔"

"لگتا ہے ... یہ لوگ باز نہیں آئیں گے ... ایک تو ہماری اڑی دیکھ کر ان کے منہ میں پانی آیا ہوا ہے ... دوسرے انہیں ندازہ ہے کہ ہمارے پاس نقد رقم بھی بہت کافی ہے ... لہذا انہیں تو ات کو نیند نہیں آئے گی ... کیونکہ ان کا کام ہی یہی ہے ... اور جن وگوں کو دوسروں کو لوٹنے کی عادت پڑ جاتی ہے... وہ آسانی سے باز یں آتے ... لیکن فکر کی کوئی بات نہیں، ہم انشاء اللہ انہیں دیکھ لیں

گے۔''

جلد ہی ان کے لیے بہت سا کھانا لایا گیا... کھانا لگانے میں جانی پیش پیش تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا:

''کیوں جانی صاحب... کھانا چیک کرنے کی کیا صورت ہوگی... آپ کی سرائے میں کوئی بلی ہے۔''

''بلی!'' اس نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں بلی... کتے تو پہلے ہی بے ہوش پڑے ہیں... یا پھر اگر وہ ہوش میں آچکے ہیں تو ہم یہ کھانا ان پر بھی آزما سکتے ہیں۔''

''کتے ابھی تک ہوش میں نہیں آئے... اور بلی یہاں ہے نہیں... یہ کتے بھلا بلی کو یہاں کیا ٹکنے دیں گے...''

''تب پھر کھانے کو کیسے جانچا جائے۔'' خان رحمان بولے

''ہاں! یہ مسئلہ تو ہے... ہم پر تو آپ اعتبار کریں گے نہیں۔'' جانی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''ایک ترکیب ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''اور وہ کیا؟'' سب اس کی طرف گھوم گئے۔

''تمام کھانوں میں سے ایک ایک لقمہ جانی کو کھلایا جائے۔''

''اوہ... ہاں یہ ٹھیک رہے گا... کیوں مسٹر جانی۔''

''بالکل ٹھیک... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' جانی نے بے فکری کے عالم میں کہا۔

''بس تو پھر آپ خود ہی ایک ایک لقمہ لے لیں۔''

''جی اچھا۔''

اس نے کہا اور ایک ایک لقمہ کھانے لگا... یہاں تک کہ اس نے سب کھانوں میں سے ایک لقمہ لے لیا... اور اسے کچھ نہ ہوا:

''اب تو ہو گیا آپ کا اطمینان۔'' اس نے کہا۔

''ابھی نہیں۔'' فرزانہ بول اٹھی۔

''ابھی نہیں... کیا مطلب... اب کیا کسر رہ گئی۔''

''اب یہ کسر رہ گئی کہ آپ نے پانی میں سے ایک گھونٹ نہیں لیا... پانی میں بھی تو کوئی چیز ملائی جا سکتی ہے۔''

''اوہ اچھا... میں پانی میں سے بھی ایک گھونٹ لے لیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک گلاس میں پانی انڈیلا اور پی گیا... اب بھی اسے کچھ نہ ہوا۔

''کیا اب میں جا سکتا ہوں اور آپ کا اطمینان ہو گیا؟'' اس نے کہا۔

''ابھی نہیں۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''کیا کہا آپ نے... ابھی نہیں۔'' اس نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں! ابھی نہیں۔''

''اور اب کیوں نہیں؟'' اس نے منہ بنایا۔

''بعض نشہ آور ادویات فوراً اثر نہیں کرتیں... کافی دیر بعد اپنا کام شروع کرتی ہیں... لہٰذا آپ یہاں بیٹھ جائیں... اگر نصف گھنٹے تک بھی آپ کو کچھ نہ ہو تو ہم یہ کھا لیں گے ورنہ نہیں کھائیں گے۔''

''آپ... لوگ عجیب ہیں۔''

''کہنے کو آپ ہمیں عجیب وغریب بھی کہہ سکتے ہیں... ہم برا نہیں مانیں گے۔''

''ٹھیک ہے... میں یہیں بیٹھ جاتا ہوں۔''

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور کسی نے کہا:

''جانی... تمہیں استاد بلا رہا ہے۔''

''اچھی بات ہے...'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے بولا:

''میں ذرا استاد سے مل آؤں۔''

''کوئی ضرورت نہیں... آپ یہیں ٹھہریں۔''

''سن نہیں... استاد مجھے نکال دے گا۔''

''پروا نہیں... ہم تم کو اس سے اچھا کام دلوا دیں گے۔''

''آپ مجھے کام دلوا دیں گے... کمال ہے۔'' وہ ہنسا۔

''ہاں کیوں نہیں...''

''جانی... چلو۔'' باہر سے آواز آئی۔

''جانی ابھی تھوڑی دیر تک آئے گا۔''

''لیکن استاد نے کہا ہے... جانی کو فوراً لے کر آؤ۔''

''ایسی بھی کیا جلدی... ہم آخر اس سرائے کے گاہک ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن استاد کو اس سے ضروری کام ہے۔''

''بس چند منٹ اور... تم چلو... پیچھے پیچھے یہ بھی آ جاتا ہے۔''

''پیچھے پیچھے نہیں، آگے آگے... استاد نے کہا تھا، اسے آگے آگے چلا کر لانا۔'' اس نے ہانک لگائی۔

''یہ کیا بات ہوئی... یہ آگے آگے چلے یا پیچھے پیچھے... اس سے بھلا کیا فرق پڑ جائے گا۔''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں، استاد کو معلوم ہوگا... چلو جانی۔''

جانی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے پھر کہا:

''جانی تم نے سنا نہیں... میں کہتا ہوں چلو میرے ساتھ...

ورنہ تم استاد کو جانتے ہی ہو۔''

جانی نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا... اب تو انہیں بھی حیرت ہوئی... انہوں نے مڑ کر دیکھا تو جانی اپنی جگہ پر نظر نہ آیا:

''ہائیں... یہ... یہ جانی کہاں چلا گیا۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''جائے گا کہاں بے چارہ... ملا کی دوڑ مسجد تک...''

''آپ کا مطلب ہے وہ نماز پڑھنے گیا ہے۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''ارے نہیں بھئی... یہ گرا پڑا ہے بے چارہ... ایک ایک لقمہ کھانے کا نتیجہ نکل آیا آخر۔''

''اوہ!'' ان کے منہ سے نکلا۔

''اس کا مطلب ہے... ابھی یہ لوگ اپنے پروگرام سے باز نہیں آئے۔''

''جانی کی بے ہوشی تو یہی کہہ رہی ہے۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''لو جی... اب بے ہوشی بھی باتیں کرنے لگی۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''یہ آپ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں... کیا ہوا جانی کو۔''

''بے چارے کو بے ہوش ہونے کا بہت شوق ہے... بس شوق شوق میں پھر بے ہوش ہو گیا۔''

''جی... کیا کہا آپ نے؟'' باہر سے کہا گیا۔

''یار تم اندر آ کر خود دیکھ لو۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ باہر موجود شخص اپنی جھونک میں اندر چلا آیا۔ وہ دروازے سے لگا کھڑا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا:

''یہ دیکھو... یہ رہا جانی... اور یہ رہی اس کی نیند۔''

''یہ رہی اس کی نیند؟'' اس نے حیران ہو کر کہا۔

''اور کیا... اب میں تمہیں نیند آنکھوں سے تو دکھا نہیں سکتا۔''

''اسے کیا ہوا۔''

''یہ تو تمہارا استاد ہی بتائے گا، ویسے ہے وہ شریف آدمی۔''

''مم... میں استاد کو بلا کر لے آتا ہوں۔''

''رہنے دو بھائی... خود ہی آ جائے گا۔''

''تو مجھے تو جانے دو۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''نہیں اب تم بھی اس کے پاس لیٹ کر بے ہوش ہو جاؤ۔''

''کک... کیا کہا... لیٹ کر بے ہوش ہو جاؤں...''

'' ہاں ... یہ لو۔'' یہ کہتے ہی انہوں نے اس کی کنپٹی پر ایک
ہاتھ رسید کر دیا... وہ تیورا کر گرا اور بلا تکلف بے ہوش ہو گیا۔

'' یار خان رحمان ... اب ان لوگوں سے ذرا مزے دار انداز
میں نمٹنا پڑے گا... انہیں سرکا کر دیوار کے ساتھ لٹا دو... تاکہ اندر
آنے والوں کو یہ پہلے ہی نظر نہ آ جائیں۔''

'' اچھی بات ہے۔''

انہوں نے مل کر ان دونوں کو دیوار سے لگا دیا۔ جلد ہی
دروازے پر دستک ہوئی... اب انسپکٹر جمشید نے جانی کی آواز میں کہا:

'' کون؟ ''

'' جانی کے بچے ... مجھے استاد کا پارہ چڑھا ہوا ہے... تم نے
اتنی دیر کیوں لگا دی... اور مانی کہاں ہے۔''

'' مانی بھی اندر ہی ہے ... اندر آ جاؤ اور آنکھوں سے دیکھ لو
... میں نے اتنی دیر کیوں لگائی ہے۔''

'' آنکھوں سے دیکھ لوں ... ؟'' باہر سے حیران ہو کر کہا گیا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا... تیسرا بھی اندر آ گیا:

''ارے ... جانی اور مانی کہاں ہیں ... یہ تو آپ لوگ ہیں۔''

'' ادھر دیکھو ...'' انہوں نے اشارہ کیا۔

جونہی وہ دیوار کی طرف مڑا، اس کی کنپٹی پر بھی ایک ہاتھ لگا
... اور اس نے بھی اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ لیٹ کر بے ہوش
ہونے میں ہی عافیت جانی۔

اب کمرے میں سرائے کے تین ملازم لمبے لیٹے ہوئے تھے اور
انہیں انتظار تھا چوتھے کا... آخر چوتھا بھی آ گیا... انہوں نے اس کے
ساتھ بھی یہی سلوک کیا:

'' اب میرا خیال ہے ... استاد اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ
خود آئے گا... لہٰذا ہم دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔''

'' جی ... دوسرا طریقہ ... لیکن ابا جان! ہم تو پہلے ہی دوسرا
طریقہ اختیار کر چکے ہیں۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

'' اچھا بھئی تیسرا سہی۔''

وہ کمرے سے باہر نکل آئے... یہ سرائے کی دوسری منزل
تھی... باہر نکل کر وہ ادھر ادھر چھپ گئے ... چند منٹ بعد ہی
انہوں نے بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں... پھر انہوں نے دیکھا
... رائفلیں اٹھائے دس بارہ آدمی اوپر آ رہے ہیں:

☆☆☆

چٹانوں میں

وہ سیدھے ان کے کمرے کے دروازے پر آئے... لیکن جونہی ان میں سے ایک نے ہاتھ کا دباؤ ڈالا، دروازہ کھل گیا:

"یہاں تو کوئی ... م... مگر نہیں ... ہمارے ساتھی بے ہوش پڑے ہیں اور خود وہ غائب ہیں۔"

"لیکن یہاں سے وہ کہاں جا سکتے ہیں۔"

"چھت پر... نیچے گئے ہوتے تو ہم انہیں دیکھ لیتے... لہذا آؤ ... وہ چھپ کر جائیں گے کہاں۔"

انہوں نے فوراً سیڑھیوں کا رخ کیا... اس سے اوپر والی منزل کے لیے سیڑھیاں بھی ان کے کمرے کے ساتھ ہی اوپر جا رہی تھیں... جونہی وہ اوپر گئے ... انہوں نے نیچے کا رخ کیا... کیونکہ اتنے لوگوں سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔

سرائے کے نچلے حصے میں کوئی بھی نہیں تھا... غالباً وہ سب کے

سب اوپر چلے گئے تھے، لہذا ان کے لیے باہر نکل جانا آسان تھا... سرائے سے نکلتے ہی سامنے چٹانیں موجود تھیں ... انہوں نے چٹانوں کی طرف دوڑ لگا دی... جانے کو تو وہ سڑک کی طرف بھی جا سکتے تھے... اپنی گاڑی میں فرار بھی ہو سکتے تھے، لیکن ان لوگوں کو سبق سکھانا بھی ضروری تھا... انہوں نے اب تک نہ جانے کتنے لوگوں کو لوٹا تھا اور موت کے گھاٹ اتارا تھا... اسفد چوک میں وہ پہلے ہی جعلی فوجی دیکھ چکے تھے، ظاہر ہے وہ لوگ بھی ان لوگوں کے ساتھی تھے۔

ادھر انہوں نے دوڑ لگا دی ... ادھر ان میں سے ایک کی آواز سنائی دی:

"استاد ... وہ بھاگے جا رہے ہیں... چٹانوں کی طرف..."

اس آواز کے ساتھ ہی وہ زمین پر گر کر لوٹ لگا گئے ... فوراً ہی بہت سے فائروں کی آواز گونج اٹھی ... فائروں کی آواز تھمتے ہی وہ اٹھے اور پھر دوڑ پڑے... ایک بار پھر ان پر فائرنگ کی گئی ... لیکن اس وقت تک وہ گولیوں کی زد سے باہر ہو چکے تھے ... یہ بات محسوس کر کے وہ رک گئے اور سرائے کی چھت پر موجود لوگوں کو ہاتھ ہلا کر اشارے کیے ... اس سے وہ اور غصے میں آ گئے ... انہوں نے ان لوگوں کو فوراً ہی نیچے کا رخ کرتے دیکھا۔

انہوں نے بھی چٹانوں کی طرف بے تحاشہ دوڑ لگا دی ... جب تک وہ سرائے سے باہر آئے، وہ چٹانوں کی اوٹ لے چکے تھے اور خان رحمان جلدی جلدی ان کے مورچے مقرر کر رہے تھے ... اس جگہ انہوں نے اپنی فوجی مہارت دکھائی:

''اب کیا حکم ہے جمشید ... آنے والے تو فوری طور پر ہماری زد میں ہوں گے ... ہم ان کا مکمل طور پر نشانہ لے سکتے ہیں ... ان کے سینے اور دل چھلنی کر سکتے ہیں۔''

''نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ بولے۔

''تو پھر جمشید ... کس کی ضرورت ہے۔'' خان رحمان نے محمود، فاروق اور فرزانہ کے انداز میں کہا۔

''ہم ان کی ٹانگوں پر گولیاں ماریں گے ... ان سب کو زندہ گرفتار کریں گے ... پھر ان سے اگلوائیں گے ... یہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں اور کیا کچھ کر چکے ہیں، پھر انہیں فوج کے حوالے کر کے آگے جائیں گے ... ورنہ اپنی پشت کی طرف سے ہم محفوظ نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں کی طرف سے ہم پر حملہ ہو سکتا ہے۔''

''بات معقول ہے... تو دوستوں ... جونہی میں پہلا فائر کروں ... تم لوگ بھی ان کی ٹانگوں کا نشانہ لے کر فائر شروع کر دینا۔''

''بہت بہتر سپہ سالار انکل۔'' فاروق ہنسا۔

''لو اور سنو ... تم نے سنا جمشید۔''

''بالکل سنا ... لیکن سر پر بھی تو تم نے ہی چڑھایا ہے انہیں۔''

''نن نہیں تو جمشید ... یار کیوں مذاق کرتے ہو ... یہ میرے سر پر تو نہیں چڑھے ہوئے۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''اللہ کا شکر ہے۔'' پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

''آپ نے کس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا۔''

''اس بات پر کہ یہ تمہارے سر پر چڑھے ہوئے نہیں ہیں ... کیونکہ اگر چڑھے ہوئے ہوتے تو تم کیا کر لیتے۔''

''ہاں واقعی ... یہ بات بھی سوچنے کی ہے۔''

''بعد میں سوچ لیں گے ... پہلے دشمن کی طرف دھیان دینا چاہیے ... کیونکہ وہ سامنے سے آتے ہوئے بالکل نظر نہیں آ رہے اور آئیں گے بھی کیوں، آخر وہ یہاں کے رہنے والے ہیں... ہیں بھی ڈاکو اور ٹھگ قسم کے لوگ، کچی گولیاں تو کھیلے ہوئے نہیں ہوں گے۔''

''تب پھر ... وہ کہاں گئے۔''

''غالباً وہ چکر کاٹ کر چٹانوں کے اس طرف آئیں گے تاکہ ہم انہیں نشانہ نہ بنا سکیں اور وہ آسانی سے ہمیں شکار کر لیں گے۔''

"کیا کہا جمشید ... شکار۔" پروفیسر داؤد بوکھلا اٹھے۔

"تو انکل اس میں بوکھلانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"پیش آ گئی ہے نا۔" وہ بولے۔

"جی کیا مطلب ... کیا ضرورت پیش آ گئی بوکھلانے کی۔"

"شکار کے لفظ پر مجھے بھوک لگ گئی ہے ... دراصل اس سرائے میں پہنچنے کے بعد ہم ابھی تک کوشش کے باوجود کھانا نہیں کھا سکے ... کم بختوں نے اس میں نہ جانے کیا ملا دیا تھا۔"

"اوہ ہاں! لیکن انکل! آپ کو تھوڑا بہت تو انتظار کرنا ہوگا، کیونکہ فی الحال تو ان سے مقابلے کا مسئلہ درپیش ہے ... مقابلے کے بعد ہی کھانے پینے کا موقع ہاتھ آ سکتا ہے۔"

"ہاں واقعی۔"

"میرا خیال ہے ... اب ہمیں دشمن کے اپنی کمر کی طرف آنے کی پوری امید ہونی چاہیے ... لہٰذا ہم میں سے نصف اس طرف منہ کر لیں اور نصف کے چہرے اب بھی سرائے کی طرف ہی رہیں ... کیونکہ وہ دو طرف سے بھی آ سکتے ہیں، ان کی تعداد ہمارے مقابلے میں دوگنا تو ضرور ہے۔"

"اچھی بات ہے خان رحمان ... جو تم کہو، ہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"میں چاروں طرف کا جائزہ لے رہا ہوں ... نئی صورت حال کے بعد اب ہمیں اور انداز سے مورچہ زن ہونا پڑے گا۔"

"تو پھر خان رحمان جلدی کرو کہیں دشمن ہمارے سر پر نہ آ جائے۔"

انہوں نے جلدی جلدی انہیں دوبارہ مورچہ زن کر دیا ... اور پھر وہ دشمن کا انتظار کرنے لگے ... ایسے میں بلند آواز گونجی:

"خبردار! ... تم سب ہماری زد پر ہو۔"

"دیکھا آپ نے ..." خان رحمان دبی آواز میں بولے۔

"دیکھا تو نہیں ... آپ دکھا دیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔ اور وہ مسکرانے لگے:

"تم لوگوں نے ہتھیار نہیں پھینکے ... کیا ہم فائرنگ شروع کر دیں۔"

"جب تک تم یہ نہیں بتا دیتے کہ کہاں ہو ... ہم ہتھیار کس طرح پھینک دیں۔"

"وہ تو خیر تم لوگوں کو پھینکنا ہوں گے ... کیونکہ ہم تم لوگوں کو

دیکھ سکتے ہیں، جب کہ تم ہمیں نہیں دیکھ رہے ...''

''یہ بے پر کی بھی ہو سکتی ہے یعنی تم چال چل رہے ہو۔''

''بات دراصل یہ ہے کہ یہ ہمارا علاقہ ہے، اس کے چپے چپے سے ہم واقف ہیں تم نہیں ... لہٰذا جب ہم نے دیکھا کہ تم لوگ چٹانوں کی طرف رخ کر رہے ہو تو ہم فوراً وہاں پہنچے جہاں سے ہم تو تم لوگوں کو دیکھ سکیں اور تم نہ دیکھ سکو ... تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔''

''یہ بات ہمارے حق میں کس طرح بہتر ہو سکتی ہے بھلا ... کیونکہ ... تم لوگ ہمیں نہ صرف لوٹنے کا پروگرام رکھتے ہو، بلکہ ہمیں جان سے بھی مارنا چاہتے ہو ... تو پھر ہم کیوں ہتھیار پھینکیں، مقابلہ کیوں نہ کریں... اور کچھ نہیں تو تمہاری طرف کے بھی دو چار کو تو ٹھکانے لگائیں گے نا۔''

''تم لوگوں کی مرضی ...''

''ویسے ہتھیار پھینک کر ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوگا۔''

''ہم تم لوگوں کو زندہ جانے دیں گے ... صرف مال لے لیں گے... گاڑی لے لیں گے۔''

''لگتا ہے تم لوگ ہمیں عقل سے بالکل پیدل خیال کرتے ہو۔''

''وہ کیسے۔''

''جب تم ہمیں جانے دو گے تو ظاہر ہے ... ہم پولیس لے کر یہاں آئیں گے ... اور تم لوگوں کو گرفتار کروائیں گے ... لہٰذا تم ایسا کیوں کرنے لگے ... تم اس سوال کا جواب دے دو ... ہم ہتھیار گرانے کے بارے میں سوچ لیں گے۔''

''تم لوگ اس طرف پولیس کو لے بھی آؤ، تب بھی وہ ہم لوگوں کو گرفتار نہیں کر سکیں گے ... اس لیے ہم یہ موقع تم کو دے دیں گے۔''

''سوال تو پھر بھی یہی ہے کہ آخر پولیس تم کو کیوں گرفتار نہیں کرے گی۔''

''اس سوال کا جواب رہنے دو۔'' اس نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے ... یہاں کی پولیس تم سے ملی ہوئی ہے ... وہ تم کو گرفتار نہیں کرے گی ... الٹا ہمیں گرفتار کرے گی ... گویا ہمارے ساتھ وہ ہوگا آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا۔''

''اوہ ... تم نے تو واقعی بالکل درست اندازہ لگا لیا۔''

''چلو شکر ہے... تم نے بات تو مانی ... اب بتاؤ ... ہم ایسا کیوں کریں... مقابلہ کرتے ہوئے جانیں کیوں نہ دیں۔''

''تمہاری مرضی ... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

''ویسے ایک اور سوال ہم تم لوگوں سے کر سکتے ہیں۔''

''اور... وہ کیا؟'' دوسری طرف سے حیران ہو کر کہا گیا۔

''تم یہ دھوکا بازی کی زندگی چھوڑ دو... اپنے جرائم کا اقرار کر لو... پھر تمہیں قانون کے حوالے کر دیتے ہیں... اور تمہیں نرم سزا دلوانے کا وعدہ کرتے ہیں۔''

''یہ تو تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے تم خود پولیس ہو۔'' دوسری طرف سے طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

''ہو سکتا ہے... یہی بات ہو۔''

''کیا مطلب؟'' اس بار استاد بہت زور سے چلایا تھا۔

''مطلب یہ کہ اس بات کا امکان ہے کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہو یا فوج سے ہو...''

دوسری طرف سناٹا چھا گیا۔

''کہیں یہ لوگ ہمارے گرد گھیرا اور تنگ نہ کرنے لگ گئے ہوں جمشید۔''

''ہاں خان رحمان! اس بات کا تو امکان ہے۔''

''بس تو پھر ہم سب کو اپنی پوزیشن تبدیل کرنا ہوگی... ہم جس

جس جگہ ہیں... وہاں کا اندازہ یہ لوگ لگا چکے ہیں۔''

''ٹھیک ہے خان رحمان... تم اپنا کام شروع کرو۔''

انہوں نے جلدی جلدی سب کی پوزیشن تبدیل کر دی... اب وہ اپنے نئے مورچوں میں بالکل تیار ہو کر بیٹھ گئے، اچانک زبردست فائرنگ شروع کر دی گئی:

''بہت خوب! یہ لوگ وہاں فائرنگ کر رہے ہیں... جہاں پہلے ہم تھے... اب ہم میں سے کوئی جرأت کرکے ان کی جگہ کا اندازہ لگا سکتا ہے۔'' خان رحمان نے کہا۔

''یہ کام میں کیے دیتا ہوں۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''کرنے کو تو میں بھی کر سکتا ہوں... لیکن اس وقت فوج کا کمانڈر میں ہوں... اور میرا کام ہے اپنی فوج کو ہدایات دینا۔''

''ٹھیک ہے خان رحمان... تم اپنا کام کرتے رہو... ہمیں جو ہدایات دو گے ہم کریں گے۔''

''تب پھر یہ وقت فاروق سے کام لینے کا ہے... فاروق تم اس وقت جس چٹان کی اوٹ میں ہو، اس کی چوٹی پر پہنچ کر دشمن کی پوزیشن معلوم کرو۔''

''جی اچھا انکل۔''

فاروق نے اوپر چڑھنا شروع کیا... عین اس لمحے ایک فائر ہوا اور ایک دل دوز چیخ گونج گئی:

'' یہ کس کی چیخ تھی۔'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

'' سرائے والوں میں سے ایک کی... اس نے فاروق کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔'' خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

'' لیکن انکل! آپ نے اسے کیسے دیکھ لیا۔''

'' یہی تو مورچہ بندی کا کمال ہے... میرے مقابلے پر اس وقت فوجی ماہر نہیں ہیں... فاروق تم بے فکر ہو کر اوپر چڑھتے جاؤ۔'' انہوں نے فاروق کو اشارہ کیا۔

'' جی اچھا!'' اس نے بھی اشارے میں جواب دیا اور چڑھتا چلا گیا... لیکن اس فائر کے بعد اس طرف اور کسی نے فائر نہ کیا... یہاں تک کہ وہ اوپر پہنچ گیا۔ اب اس نے دشمن کی پوزیشن دیکھ لی... اس نے اشاروں میں بتانا شروع کیا... خان رحمان نوٹ کرتے چلے گئے۔ اور پھر خان رحمان نے اس کے مطابق ان لوگوں نے فائرنگ شروع کر دی... سرائے والوں کی طرف سے بھی فائرنگ شروع ہوگئی... لیکن انہیں ان کی پوزیشن کا پتا نہیں تھا... اس لیے وہ سب ان کی گولیوں سے محفوظ رہے... جب کہ ان کی فائرنگ کے جواب

میں ہر بار کوئی نہ کوئی چیخ ضرور سنائی دیتی تھی... یہ سلسلہ آدھ گھنٹے تک جاری رہا... آخر استاد کی آواز سنائی دی:

'' ہم نے تم لوگوں کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا... ہم آپس میں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں... آپ فائرنگ بند کر دیں... ہم بھی کر رہے ہیں۔''

'' چلو ایسا کر لیتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

'' تب پھر آپ لوگ اسلحہ پھینک دیں۔'' استاد نے کہا۔

'' یہ کیا بات ہوئی... بھئی صرف ہم کیوں... آپ لوگ بھی پھینکیں بلکہ پہلے آپ۔''

'' اپنی رائفلیں چٹانوں سے نیچے گرا دو بھئی۔'' استاد نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

اور پھر انہوں نے انقلوں کو نیچے گرتے دیکھا:

'' اب آپ بھی پھینک دیں۔''

'' ٹھیک ہے... چلو بھئی تم لوگ بھی اپنی رائفلیں پھینک دو۔'' انہوں نے بھی رائفلیں رکھ دیں:

'' ٹھیک ہے... اب چٹانوں سے نیچے آ جائیں۔''

'' ٹھیک ہے۔''

سب اترنے لگے ... یہاں تک کہ چٹانوں کے دامن میں آگئے۔ ادھر سے استاد اور اس کے ساتھی آگئے ... اب دونوں فریقوں کے ہاتھوں میں کوئی اسلحہ نہیں تھا ... ایسے میں ایک آواز ابھری:

"ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو!"

☆☆☆

دوہری چال

آواز چٹانوں کی طرف سے آئی تھی۔

انہوں نے پرسکون انداز میں مڑ کر دیکھا ... ایک اونچی چٹان پر ایک لمبا چوڑا آدمی کلاشن کوف لیے کھڑا تھا ... اس نے رائفل ان کی طرف تانی ہوئی تھی:

"یہ کیا مسٹر استاد۔"

"ہاتھ تو تم لوگوں کو اٹھانے ہی پڑیں گے۔"

"تو تم نے دھوکا دیا۔"

"ہم ایسے کاموں کو دھوکا نہیں کہتے ... چال کہتے ہیں۔"

"اوہو اچھا ... خان رحمان سنا تم نے ... یہ ایسے کاموں کو دھوکا نہیں چال کہتے ہیں۔"

"ان کی مرضی جمشید ... کہنے کا کیا ہے ... ہم ایسے کاموں کو دوہری چال کہہ سکتے ہیں۔"

''دوہری چال ... کیا مطلب خان رحمان۔''

''مطلب میں نہیں ... وہ بتائے گا جس نے کہا ہے ... ہاتھ اوپر اٹھا دو۔''

''تم لوگوں نے اب تک ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے۔'' چٹان پر کھڑا شخص گرجا۔

''اس کی وجہ ہے۔'' محمود مسکرایا۔

''کس کی وجہ ہے۔'' استاد بھنا اٹھا۔

''ہاتھ اٹھانے کی ... اور وہ وجہ یہ کہ ہم لوگ ہاتھ اٹھانے کے زیادہ عادی نہیں ... بہت مشکل سے ہاتھ اٹھا پاتے ہیں ... ہاں دوسروں کے ضرور اٹھا دیتے ہیں۔''

''پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو ... تم سے آخری بار کہا جاتا ہے ہاتھ اوپر اٹھا دو ورنہ میں مانی سے کہہ دوں گا اور وہ تم لوگوں پر فائر کھول دے گا۔''

''ٹھیک ہے ... تم اس سے کہہ ہی دو۔''

''کیا مطلب ... گویا تمہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں۔''

''نہیں ... ایسی باتوں کی کیا پروا ... جو ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔''

''تمہارا یہ جو ہے نا ... مانی ... یہ ہم پر گولی نہیں چلا سکے گا۔''

''آخر کیوں نہیں چلا سکے گا۔''

''اس لیے کہ ہم لوگ بھی چال چل سکتے ہیں ... تم اسے چال کا جواب بھی کہہ سکتے ہو۔''

''کک ... کیا چال کا جواب۔'' فاروق ہکلایا۔

''ہاں ہاں! کہہ دو ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' محمود جل گیا۔

''اچھا کہے دیتا ہوں ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔''

''بے تکی تک ...'' محمود نے بھنا کر کہا۔

''بھئی چال کا جواب بتا دو انہیں ... آپس میں لڑنے سے یہ بہتر ہے۔'' خان رحمان مسکرائے۔

''جی اچھا انکل! آپ کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں ... ہمارا کیا جاتا ہے ... چلو بھئی ... دو انہیں چال کا جواب۔'' فاروق نے بلند آواز میں کہا۔

یہ الفاظ اس نے منہ اوپر اٹھا کر اس انداز میں کہے تھے جیسے ہوا سے باتیں کر رہا ہو ... عین اس وقت مانی کے منہ سے ایک ہولناک چیخ نکلی، وہ فضا میں اچھلا اور نیچے آتا نظر آیا ... وہ ان کے

نزدیک ہی گرا اور انہوں نے اس کے سر سے خون نکلتے دیکھا ... چند لمحے تک وہ تڑپا ، پھر ساکت ہو گیا ... وہ سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے :

'' یہ ... یہ کیا ہوا ۔'' استاد نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا ۔

'' ہم اسے چال کا جواب کہتے ہیں ، ویسے تم اسے جوابی چال بھی کہہ سکتے ہو ۔'' محمود مسکرایا ۔

'' اور اگر بات اب تک سمجھ میں نہ آئی ہو تو اس مقام کی طرف دیکھ لو، جہاں یہ مائی کھڑا تھا ۔''

انہوں نے فوراً اس طرف دیکھا ... وہاں فرزانہ کھڑی نظر آئی اور اس کے ایک ہاتھ میں رائفل اور دوسرے میں نائن ایم ایم کی پستول بھی تھی:

'' اور فرزانہ ... یہ لوگ چونکہ لاتوں کے بھوت ہیں ... باتوں سے قابو میں نہیں آئیں گے ... اس لیے ... ان میں سے ایک کے کان کی لو اڑا دو ۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی پستول کا ایک فائر ہوا ... اور استاد کے ایک ساتھی کی دل دوز چیخ نکل گئی ... ان سب نے دیکھا ... اس کے کان کی لو غائب تھی اور وہاں سے خون کی دھار جاری ہو چکی تھی :

'' اب ان لوگوں کو یہ بات مان لینا چاہیے کہ ہم لوگ کس قدر درست نشانہ لے سکتے ہیں اور ان میں سے کسی نے ذرا سی بھی حرکت کی تو کان کی لو کے ساتھ ان کے کان بھی غائب ہو سکتے ہیں ۔''

'' نن ... نہیں ۔'' وہ چلائے ۔

'' اگر نہیں تو ہاتھ اوپر اٹھا دو ... فرزانہ جو ہاتھ نہ اٹھائے ، اسے گولی مار دو ... ہمیں ضرورت بھی کیا ہے ان لوگوں کو زندہ رکھنے کی ... یہ سانپ ہیں ۔''

دوسرے ہی لمحے ان سب نے ہاتھ اٹھا دیے :

'' فاروق تمہاری جیب میں ریشم کی ڈوری تو ہو گی ۔''

'' نہ ہونے کا کیا کام ابا جان ۔'' اس کی شوخ آواز سنائی دی ۔

'' بس تو پھر ان سب کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دو ... خان رحمان انہیں مسلسل نشانے پر رکھو ۔''

'' بہت بہتر جمشید ۔'' خان رحمان نے فوراً کہا ۔

اور پھر ان سب کو باندھ لیا گیا ... پھر سرائے میں لایا گیا :

'' یہاں کے پولیس اسٹیشن کا نمبر بتاؤ ۔'' انہوں نے استاد سے کہا ۔

پولیس اسٹیشن کا نام سن کر اس کی آنکھوں میں چمک لہرائی ...

اس نے فوراً نمبر بتا دیا۔

انہوں نے پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کیا:

''کیا نام ہے انسپکٹر کا۔''

''انسپکٹر ریاست خان۔'' استاد نے فوراً بتایا۔

''تو وہ یہاں آتے رہتے ہیں... آپ سے ان کی علیک سلیک ہے... یہی بات ہے نا۔''

''ہاں! یہی ہی بات ہے۔'' استاد کا لہجہ خشک تھا۔

''کوئی پروا نہیں... مجرموں کو گرفتار کرنا، ان کا کام ہے اور انہیں یہ کام کرنا پڑے گا۔''

''ہاں! یہی بات ہے۔'' استاد نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اب وہ سب سرائے میں تھے... انہوں نے استاد اور اس کے ساتھیوں کو سرائے کے فرش پر بٹھا رکھا تھا... خود وہ کرسیوں پر بیٹھے تھے:

''ویسے... یہ کام تم کب سے کر رہے ہو۔''

''کون سا کام۔''

''یہی لوٹنے کا۔''

''اپنا تو کام ہی یہی ہے... تم پہلی بار ادھر آئے ہو... بلکہ

کہنا چاہیے، آخری بار۔''

''آخری بار... تمہارا مطلب ہے اب ہم اس طرف آنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''نہیں... بلکہ تم یہاں آنے کے قابل ہی نہیں رہ جاؤ گے۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ پولیس انسپکٹر تمہارا ساتھ دے گا... وہ تمہیں گرفتار نہیں کرے گا۔''

''بالکل...'' اس نے فوراً کہا۔

''لیکن وہ تو قانون کا محافظ ہے۔''

''ہاں! یہاں کا قانون ہم خود ہیں۔'' استاد ہنسا۔

''اوہ اچھا۔'' انہوں نے مصنوعی حیرت ظاہر کی۔

''ابھی کیا ہے... آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔''

''پہلے ہی بتا دو... آگے آگے کیا ہوتا ہے۔''

''ارے نہیں... تم لوگ مارے خوف کے بے ہوش ہو جاؤ گے... جب کہ ہم چاہتے ہیں تم لوگ بالکل ہوش و حواس میں رہو۔''

''ہم وعدہ کرتے ہیں... ہوش و حواس میں رہیں گے۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''وقت سے پہلے ہی پاگل ہونے والے ہو شاید۔'' استاد بولا۔

''یہ تو وقت بتائے گا کہ کون بے ہوش ہوگا اور کون نہیں۔''

''خوب! تو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ پولیس تمہارا ساتھ دے گی۔''

''بالکل دے گی... پولیس قانون کا ساتھ دیتی یا مجرموں کا۔''

''ہمارے ملک میں مجرموں کا۔'' اس نے کہا۔

اور وہ دھک سے رہ گئے... اب انہیں محسوس ہوا وہ کن حالات کا شکار ہونے والے ہیں... انہیں شدید خطرے کا احساس بھی ہوا... وہ چاہتے تو اسی وقت وہاں سے ادھر ادھر ہو سکتے تھے، لیکن پھر انہوں نے سوچا، جس مقصد کے لیے وہ گھر سے نکلے ہیں وہ حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا... دیکھا جائے گا... انہوں نے اس وقت موبائل ہاتھ میں لے رکھا تھا... اس پر انہوں نے وقت دیکھا... پھر اس کا ایک بٹن دبا دیا:

''تم... پورے ملک کی پولیس کی بات نہیں کر سکتے... یہاں کی پولیس ہوگی ایسی۔''

''میں نے یہ کہا بھی نہیں... کہ پورے ملک کی پولیس کیا کرتی ہے کیا نہیں کرتی... لیکن پورے ملک میں پولیس کی حالت جو ہے وہ نہیں ہونی چاہیے... اگر پورے ملک کی پولیس بالکل درست ہو تو جرائم پنپ نہیں سکتے... ہم لوگ آج تک جو کچھ کرتے رہے ہیں،

پولیس کی چھتری کے نیچے کرتے رہے ہیں، اگر یہاں کی پولیس ہمارے ساتھ نہ مل جاتی تو ہم جرائم کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے، ویسے تم لوگ کون ہو، کیا تمہارا تعلق پولیس سے ہے۔''

''ہاں! ہمارا تعلق بھی پولیس سے ہے۔''

''تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا... یہاں کی پولیس تمہارے کام نہیں آئے گی اور دارالحکومت کی پولیس کو یہاں آنے میں بہت وقت لگے گا... اور آس پاس سرحدوں پر جو فوج موجود ہے... وہ یہاں تم لوگوں کے کہنے سے تو آئے گی نہیں... اب تم سوچ رہے ہو گے کہ بڑے پھنسے... ہاں یہی بات ہے... تم واقعی بہت بڑے پھنس چکے ہو... اب تو اگر تم یہاں سے نکلنا بھی چاہو تو بھی نہیں نکل سکو گے... اب تک ناکہ بندی ہو چکی ہوگی... کیونکہ میں اپنے موبائل کے ذریعے انسپکٹر ریاست خان کو حالات بتا چکا ہوں... اور وہ یہاں پوری تیاری سے آئے گا۔''

''ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اس کا انتظار کرنے پر مجبور ہیں... ورنہ نکلنے کو ہم نہایت آسانی سے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

''مجبوری... کیسی مجبوری۔'' اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔

''چھوڑو... کیا کرو گے جان کر۔'' انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

اور پھر کچھ ہی دیر بعد انہوں نے پولیس کی گاڑیوں کو آتے دیکھا۔

انہوں نے موبائل خفیہ جیب میں رکھ لیا... پھر پولیس کی گاڑیوں سے کانسٹیبل چھلانگیں لگا لگا کر اترنے لگے اور ان کے گرد گھیرا ڈالنے لگے... جب گھیرا مکمل ہوگیا تو انسپکٹر آگے آتا نظر آیا... اس کی چال میں اکڑاہٹ تھی، چہرہ تنا ہوا تھا... نزدیک پہنچتے ہی اس نے استاد سے بے تکلفانہ انداز میں ہاتھ ملایا... بلکہ ملایا کیا... ہاتھ پر ہاتھ مارا... پھر بولا:

''کیا حکم ہے استاد خانو۔''

یہ دیکھ کر وہ چونک گئے۔ اب تک وہ استاد کو عام آدمی سمجھ رہے تھے:

''ان لوگوں کو فوری طور پر گرفتار کر لیا جائے... انہوں نے مانی کو قتل کر دیا ہے۔''

''اوہ!... گرفتار کر لو بھئی انہیں۔''

''ایسی بھی کیا جلدی انسپکٹر صاحب... ہماری بات تو آپ نے سنی ہی نہیں۔''

''جلدی کس بات کی ہے... تھانے میں سن لیں گے۔''

''جلدی تو نہیں ہے لیکن گرفتار ان لوگوں کو کرنا ہے آپ کو۔''

انہوں نے استاد اور ان کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''ان لوگوں کو... وہ کیوں... بندہ تو ان کا آپ نے مارا ہے اور گرفتار بھی ہم انہی کو کریں، یہ کیا بات ہوئی۔''

''یہ بات اس طرح ہوئی کہ پہلے آپ تفصیل سن لیں۔''

''ٹھیک ہے... تفصیل سنائیں۔''

اب وہ بھی کرسی پر بیٹھ گیا... انہوں نے ساری تفصیل سنا دی... پھر بولے:

''اب آپ بتائیں... آپ ان حالات میں کسے گرفتار کریں گے۔''

''ابھی ہم نے صرف آپ کا بیان سنا ہے... ان کا نہیں... لہٰذا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔'' انسپکٹر ریاست خان نے کہا۔

''یہ بات کی ہے آپ نے قانون کی... آپ ان کا بیان بھی سن لیں۔''

''ہاں استاد محترم... آپ کی تفصیل کیا ہے۔''

''آپ نے انہیں کیا کہا... استاد محترم۔''

''ہاں! یہ ہمارے بہت محترم استاد ہیں۔'' انسپکٹر ریاست خان

نے کہا۔

''اچھی بات ہے ... پہلے آپ اپنے محترم استاد کی بات سن لیں۔''

اب استاد نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا اور خود سگریٹ سلگا کر بیٹھ گیا ... ساتھی نے تفصیلات سنائیں ... انداز میں بیزاری تھی ... جیسے یہ ساری کارروائی رسمی سے زیادہ نہ ہو ... تمام باتیں وہی تھیں ... جو انہوں نے بتائی تھیں ... آخر میں بس اس نے یہ کہا کہ فرزانہ نے بلاوجہ ان کے ساتھی کو گولی مار دی ... جس کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔

''ان حالات میں تو ان سبھی کو گرفتار کرنا ہوگا۔''

''آپ کو اس قدر جلدی کیا ہے۔''

''ہمیں اور بھی کام کرنے ہیں۔''

''لیکن آپ ہمیں گرفتار نہیں کر سکتے۔''

''وہ کیوں۔''

''لیجیے ... شروع سے آخر تک ساری بات چیت سنیے ، یعنی جب ہم اس سرائے تک پہنچے ... اس وقت سے لے کر اب تک کی بات چیت ... پھر فیصلہ کریں کہ جرم کس نے کیا ہے۔''

''سنائیں ... ریکارڈ شدہ ہے۔''

''ہاں بالکل ... بلکہ ویڈیو بھی بنی ہے۔''

''اوہو اچھا!'' پہلی بار اس کے انداز میں حیرت نظر آئی۔

''جی ہاں ... آپ دیکھ بھی لیں اور سن بھی لیں۔''

انہوں نے اپنے موبائل پر ریکارڈ شدہ فلم اس کے سامنے لگا دی۔ انسپکٹر ریاست خان غور سے دیکھتا رہا اور سنتا رہا ... یہاں تک کہ فلم مکمل ہو گئی ... اب انہوں نے کہا:

''اب آپ کیا کہتے ہیں ... کس کا جرم ثابت ہوا۔''

''وہی کہتا ہوں جو پہلے کہہ چکا ہوں ... آپ ہی مجرم ہیں۔''

''کیا اس فلم کی موجودگی میں بھی ہمیں مجرم ثابت کریں گے۔''

''ہاں کیوں نہیں ... مجرم ہیں ہی آپ۔''

''اچھی بات ہے ... اب دوسری بات سنیے ... ہمارا تعلق بھی پولیس سے ہے اور خادم کو انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔''

''کیا نام بتایا۔'' وہ چونکا ... لیکن انہوں نے صاف محسوس کیا کہ اس نے بہت مشکل سے خود کو اچھل پڑنے سے روکا تھا۔

''انسپکٹر جمشید ... محمود ، فاروق اور فرزانہ۔''

''اچھا تو پھر ... کیا قانون سب کے لیے ایک نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

'' یہی تو ہم کہتے ہیں ... قانون سب کے لیے ایک ہے ...
تب پھر انہیں گرفتار کریں آپ ... یہ نہ جانے کب سے یہاں جرائم پر
جرائم کر رہے ہیں ... اور ان کے مظالم کی کوئی حد نہیں ہے۔''

'' نہیں ... قاتل آپ ہیں ... یہ نہیں۔''

'' گویا میرا نام سننے کے بعد بھی ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔''

'' ہاں بالکل۔''

'' تب پھر ہم آپ کو ایک چیز اور دکھاتے ہیں۔''

'' اور وہ کیا۔'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

اب انہوں نے اپنا خصوصی اجازت نامہ نکال کر اس کے سامنے
کر دیا:

'' یہ کیا ہے۔'' اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

'' پڑھ کر دیکھ لیں۔'' وہ مسکرائے۔

'' ضرورت تو کوئی نہیں ... پھر بھی تم لوگوں کا دل رکھنے کے
لیے پڑھ لیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک جھٹکے سے کاغذ لے لیا اور جلدی جلدی
پڑھنے لگا... وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے ... انہیں یہ
دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے چہرے پر کوئی الجھن یا پریشانی نظر نہ

آئی... پڑھنے کے بعد اس نے طنزیہ انداز میں کہا:

'' میں اب بھی نہیں سمجھا ... یہ کیا ہے۔''

'' کیا تم پڑھے لکھے نہیں ہو۔''

'' پڑھا لکھا تو خیر ہوں۔''

'' پھر اس کاغذ پر لکھی تحریر تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔''

'' اس لیے کہ ایسی چیزیں ہم لوگ نہیں سمجھتے۔''

'' تب پھر اس کا نتیجہ بھی سن لیں ... اگر اس تحریر کو تم نے کوئی
اہمیت نہ دی تو یہاں فوج آ جائے گی۔''

'' ایسا نہیں ہوگا ... گرفتار کر لو بھی ان لوگوں کو۔''

'' اگر تم قانون کا احترام نہیں کرو گے تو پھر ہم لوگ بھی اپنی
مرضی کریں گے اور پہلا قدم یہ ہے کہ تم لوگوں کے ہاتھوں گرفتار
نہیں ہوں گے۔''

'' ارے کیسے نہیں ہوگے ... تم ہو کتنے ... تم لوگوں کو تو ہم چٹکی
بجاتے ہی گرفتار کر لیں گے۔''

'' ٹھیک ہے ... تم چٹکی بجاؤ ... خان رحمان تم بھی اس کے
جواب میں چٹکی بجا دینا۔''

'' اچھا جمشید ... تم فکر نہ کرو۔''

پھر جونہی انسپکٹر ریاست خان کے ماتحت پولیس والے آگے بڑھے ... خان رحمان نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی ... ساتھ میں وہ گرجے: ''خبردار ... اگر تم نہ رکے تو ہم گولیوں کا رخ تمہاری طرف کر دیں گے۔''

انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں:

''خان رحمان ... انہیں مزہ چکھا دو۔''

''ابھی لو۔'' انہوں نے کہا، پھر گرجے:

''چلو بھئی شروع ہو جاؤ ... پروفیسر صاحب آپ بھی۔''

''ضرور... کیوں نہیں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکا ہوا ... یہ دھماکا اس قدر زبردست اور ہولناک تھا کہ وہ سب اچھل اچھل کر گرے اور پھر ان کی بدحواسی سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے فائرنگ شروع کر دی ... اس کے ساتھ ساتھ وہ چٹانوں کی طرف دوڑے پڑے اور آن کی آن میں چٹانوں کے پیچھے مورچے بند ہو گئے ... ان چٹانوں کو وہ پہلے ہی اپنا مورچہ بنا چکے تھے ... لہٰذا انہیں کوئی دقت نہ ہوئی:

''رکنے کی ضرورت نہیں ... جو اس طرف آئے نشانہ بنا ڈالو ... ان لوگوں کو کوئی موقع نہیں دیا جا سکتا۔''

''ٹھیک ہے جمشید۔''

اور پھر ان کی طرف سے اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی ... ان میں سے بہت سے فائرنگ کی زد میں آ گئے ... باقی ادھر ادھر دوڑے ... اس حالت میں بھی ان پر فائرنگ جاری رہی ... خان رحمان نے یہ بات پہلے ہی جان لی تھی کہ انسپکٹر جمشید اب ان کے ساتھ کوئی رعایت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

جلد ہی انہوں نے دیکھا، اس چٹان کو گھیرے میں لیے جا رہا ہے ... گویا ان کے فرار کا راستہ بند کیا جا رہا تھا:

''خان رحمان ... فوری طور پر پلان کر لو ... یہ لوگ ہمارا راستہ بند کر رہے ہیں۔''

''تم فکر نہ کرو جمشید ... اس وقت ہمارے پاس اس سے بہتر جگہ کوئی نہیں ... یہ سب لوگ ہمیں گھیر تو رہے ہیں ... لیکن رہیں گے یہ سب ہماری زد پر ... جب کہ ہم چٹانوں میں مورچہ بند ہو چکے ہوں گے اور یہ ہمیں نشانہ نہیں بنا سکیں گے ... اس طرح ہم آسانی سے ایک پوری فوج کا مقابلہ کر سکیں گے۔''

''بہت خوب!'' انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

''اور ظاہر ہے جمشید ... یہ لوگ ہمارے مقابلے پر کتنے لوگ

لے آئیں گے۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔''

اب وہ جلدی جلدی مورچہ بند ہونے لگے ... ادھر چٹانوں کے گرد مورچہ بندی ہو رہی تھی ... آخر آدھ گھنٹے بعد استاد کی آواز گونجی:

''تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے ... تمہارے حق میں بہتر تو یہی ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو ... اگر تم نے ہتھیار نہ پھینکے تو ان چٹانوں میں آگ کی بارش شروع ہو جائے گی۔''

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ جواب دینے کا مطلب تھا اپنی پوزیشن سے آگاہ کر دینا ... اور وہ ایسا کیوں کرتے بھلا۔

''تو ٹھیک ہے ... تم لوگ جنگ پر تل گئے ہو تو یونہی سہی ... ابھی تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کن لوگوں سے ٹکر لے رہے ہو، لیکن بہت جلد جان لو گے۔''

اس کے صرف چند سیکنڈ بعد چٹانوں کی طرف فائرنگ شروع کر دی گئی۔ وہ بھی تیار تھے ... لیکن ظاہر ہے ان کے پاس اسلحہ زیادہ نہیں تھا، اس لیے انہیں صرف تاک تاک کر نشانہ لینا تھا۔ خان رحمان نے دبی آواز میں کہا:

''جونہی کوئی دشمن ہمارے کسی ساتھی کے نشانے پر آئے ...

اسے نشانہ بنا لیا جائے۔''

اب دو طرفہ فائرنگ شروع ہو گئی ... ادھر انسپکٹر جمشید اپنے موبائل پر مصروف تھے ... دارالحکومت سے اس جگہ کا فاصلہ اگرچہ زیادہ تھا ... لیکن ہیلی کاپٹر کے ذریعے جلد مدد آ سکتی تھی ... دوسرے یہ کہ فوج کے دستے یہاں سے زیادہ دور نہیں تھے ... ان سے بھی وہ مدد لے سکتے تھے ... اس لیے انہوں نے اپنی صورتحال دارالحکومت میں بھی بتا دی اور فوج کو بھی ... ان کے اندازے کے مطابق مدد آنے میں ایک گھنٹا لگ سکتا تھا ... گویا انہیں دشمن کو ایک گھنٹے تک روکنا تھا۔

وہ تاک تاک کر فائرنگ کرتے رہے اور دشمن کو خاطرخواہ نقصان پہنچاتے رہے جب کہ وہ چٹانوں میں ایسی جگہوں پر تھے ... جو پیچ دار تھیں ... ان پر براہ راست فائرنگ کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔

ایسے میں انہوں نے مزید پولیس آتے دیکھی:

''ان لوگوں نے بھی مدد منگوائی ہے جمشید۔'' خان رحمان نے دبی آواز میں کہا۔

''کوئی پروا نہیں۔''

''بلکہ دوسری طرف سے میں ایک منظر اور دیکھ رہا ہوں۔''

"اور وہ کیا خان رحمان۔"

"جس طرف ہمیں جانا تھا ... اس طرف سے فوجی وردیوں میں بھی مسلح افراد چلے آرہے ہیں۔"

"یہ ضرور نقلی فوجی ہیں جیسے ہمیں اسفند چوک میں ملے تھے۔"

"ہاں جمشید ... بالکل یہی بات ہے ... لیکن ان کی تعداد اب بہت بڑھ گئی ہے ... یہ سب مل کر اگر چٹانوں کی طرف آنا شروع کر دیں گے تو ہمارے لیے مشکل ہو جائے گی۔"

"لیکن کیوں خان رحمان ... ہمارے پاس ابھی اسلحہ موجود ہے اور پھر ابھی ہم نے پروفیسر داؤد صاحب کا اسلحہ نہیں آزمایا۔"

"تب پھر یہ کام کر ہی لینا چاہیے تاکہ یہ بے دھڑک چٹانوں کی طرف نہ آئیں ... جان لیں کہ ہم ان کے لیے تر نوالہ نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے جمشید ... پروفیسر صاحب ... ذرا گیندیں مجھے دے دیں ... آنے والوں پر ایک ایک گیند میں پھینکوں گا۔"

"اچھا خان رحمان۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

پھر دو عدد زور دار دھماکے ہوئے ... بڑھتے دشمن کے قدم رک گئے، بلکہ وہ پیچھے کی طرف دوڑ پڑے ... اور بہت دور جا کر رکے ... اب گویا انہیں بھی سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا تھا ... ایسے میں خان رحمان

نے اپنے ساتھیوں کو نئی ہدایات دیں:

"ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنے بہت سے لوگ لے آئیں گے ... کیا خیال ہے جمشید ... ہم یہاں سے کھسک نہ لیں اور نئی تیاری سے ان پر حملہ آور ہوں۔"

"کیا ہم نکل سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں ... پروفیسر صاحب کی دو چار گیندوں سے یہ کام ہو سکتا ہے ... راستہ ہمیں معلوم ہے ... بس ذرا دوڑنا پڑے گا ... اور آگے جا کر درختوں میں چھپنا پڑے گا ... اس طرح یہ ہمیں پاگلوں کی طرح تلاش کرتے پھریں گے ... اتنے میں ہمارے لیے مدد آجائے گی انشاء اللہ!"

"ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں ... کہیں ہم یہاں زیادہ نہ پھنس جائیں ... اس صورت میں ہم ادھر ادھر جانے کے قابل تو ہوں گے۔"

"بالکل یہی بات ہے ... پروفیسر صاحب ... تین چار گیندیں اور عنایت فرمائیں۔"

"اچھی بات ہے خان رحمان ... تم کون سا روز روز گیندیں مانگتے ہو۔" ان کی شوخ آواز سنائی دی۔

ایک منٹ بعد ہی خان رحمان نے اپنے حساب سے تاک تاک

کر گیندیں اچھالیں ... ان میں دھوئیں کا بم بھی تھا ... اور پھر وہ اس میں سے نکلتے چلے گئے ... جب کہ دشمن بدحواس ہو کر الٹے قدموں بھاگ کھڑا ہوا تھا ... وہ جانتے تھے کہ دشمن کے آدمی کافی دور جا کر رکیں گے اور اس کے بعد اس طرف دیکھیں گے ... اتنی دیر میں وہ اس جگہ سے نکل جائیں گے اور ایسا ہی ہوا ... وہ دوڑتے چلے گئے ... یہاں تک کہ گھنے درختوں میں آ گئے۔ اب انہیں اس بات کا یقین تھا کہ ان کے دشمن نے انہیں وہاں سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا لہذا ان کا کافی وقت وہیں ضائع ہو جائے گا ... پہلے وہ نئے سرے سے چٹانوں کو گھیریں گے، پھر مزید لوگوں کو بلوائیں گے اور مل کر حملہ آور ہوں گے ... لیکن وہ تو چٹانوں پر ہوں گے ہی نہیں ... اور جب انہیں یہ بات معلوم ہوگی تو بہت دیر ہو چکی ہوگی ... اور وہ اپنے ساتھیوں کو آتے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔

ان کے اندازے درست ثابت ہوئے ... جلد ہی انہوں نے اپنے اوپر ہیلی کاپٹروں کی آوازیں سنیں:

''اللہ کا شکر ہے ... مدد آ گئی۔''

''ہاں واقعی اللہ کا شکر ہے۔'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

پھر اوپر والوں نے ان سے رابطہ قائم کر لیا ... انسپکٹر جمشید نے

انہیں ساری صورت حال سنائی ... تو اوپر سے کہا گیا:

''آپ فکر نہ کریں اور یہیں چھپے رہیں ... ان لوگوں سے ہم نبٹ لیتے ہیں۔''

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ... ہیلی کاپٹر چٹانوں کی طرف چلے گئے ... پھر انہوں نے بموں کے دھماکے سنے ... اس بستی پر اوپر سے بم گرائے جا رہے تھے اور وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بستی خالی ہو گئی ... اب ہیلی کاپٹروں کو سرائے کے پاس میدان میں اتار لیا گیا۔ وہ بھی درختوں سے اتر کر وہاں آ گئے ... ہیلی کاپٹر لے کر آنے والے کیپٹن ایاز تھے۔ وہ ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملے ... پھر سب نے اس پوری بستی کا دورہ کیا ... اور آخر واپس سرائے میں آ گئے ... اب وہاں چاروں طرف فوج چوکس کھڑی تھی:

''اب کیا پروگرام ہے آپ کا۔'' کیپٹن ایاز نے پوچھا۔

''نکلے تو ہم اور مقصد کے لیے تھے ... پھنس گئے یہاں ... ہمیں آگے جانا ہے ... اور میں سمجھتا ہوں آگے کی مہم میں بھی ہمیں فوج کی ضرورت پیش آئے گی ... کیونکہ اگر یہاں اس قدر سنگین حالات پیش آ سکتے ہیں تو آگے تو نہ جانے حالات کیا ہوں اور پھر ہمیں تو ابھی ایک بیگار کیمپ کو بھی تلاش کرنا ہے۔''

''ہمیں یہی ہدایات ہیں کہ آپ جو کہیں، وہ کریں۔''

''بس تو پھر ہم آپ لوگوں کے ساتھ یہاں سے آگے بڑھیں گے اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اس کیمپ کو تلاش کریں گے... میرا خیال ہے، اوپر سے ہم اس کیمپ کو نہایت آسانی سے تلاش کر لیں گے... اس لیے کہ اس پیمانے پر تو یہاں کبھی کوشش کی ہی نہیں گئی...''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں...'' کیپٹن ایاز نے سر ہلایا۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد ان کا قافلہ روانہ ہوا... ان کے سروں پر ہیلی کاپٹر گروش کر رہے تھے... اور یوں لگتا تھا جیسے وہاں لوگ دور دور تک پھیلے ہوئے ہوں... پھر ایک ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے انھیں بتایا:

''اس طرف پتھر توڑتے لوگ نظر آ رہے ہیں۔''

''بس ٹھیک ہے... ہم پہلے ان لوگوں کو چیک کریں گے... آپ لوگ بدستور اوپر سے نگرانی کرتے رہیں۔''

''اوکے... ضرورت پڑی تو ہم اوپر سے ان لوگوں پر فائرنگ بھی کر سکتے ہیں۔''

''گڈ... پہلے ہم ان لوگوں سے ملاقات کریں گے۔''

وہ آگے بڑھتے چلے گئے... یہاں تک کہ پتھر توڑتے لوگ

انھیں نظر آنے لگے... ان کی رفتار میں اور تیزی آ گئی... آخر وہ پہاڑوں کے دامن میں پہنچ گئے... یہاں دو ڈھائی سو آدمی پتھر توڑتے نظر آئے... ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں... اپنے سروں پر ہیلی کاپٹروں کو گروش کرتے دیکھ کر وہ بھی حیران تھے اور پریشان بھی کہ یہ کیوں آئے ہیں... پھر ان لوگوں کو دیکھ کر تو وہ اور زیادہ حیران رہ گئے... ایسے میں ایک بہت اونچے قد کا اور چوڑے جسم کا مالک شخص بے فکری کے انداز میں ان کی طرف بڑھا:

''کیا مسئلہ ہے... یہ ہیلی کاپٹر کیسے ہیں؟'' اس کا لہجہ اکھڑ تھا۔

''ہمیں ایک عدد بیگار کیمپ کی تلاش ہے... جہاں اغوا کیے گئے لوگوں سے پتھر تڑوائے جاتے ہیں۔''

''تو یہ لوگ آپ کو اغوا کیے گئے لگتے ہیں۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں... لگتے تو نہیں ہیں... یہاں نگرانی کرنے والے مسلح لوگ نہیں ہیں... بیگار کیمپوں پر تو سخت پہرہ دیا جاتا ہے، لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ یہ کوئی بیگار کیمپ ہے... ہم تو تلاش میں ہیں... آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔''

''اس طرف کوئی بیگار کیمپ نہیں ہے۔''

''اور یہ تمام مزدور آپ نے لگا رکھے ہیں۔''

''ہاں! یہ یہاں آس پاس کی پہاڑی بستیوں میں رہنے والے لوگ ہیں ... آپ چاہیں تو ان میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ ان کے گھر تک لے جا سکتے ہیں ... یہ آپ کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر بار دکھائیں گے ... وہاں ان کے بچے بچیاں رہتے ہیں ...''

''وہ تو ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ یہ وہ بیگار کیمپ نہیں ہے جس کی تلاش میں ہم ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''بس تو پھر میں نے آپ کو بھی بتا دیا ہے کہ اس طرف کوئی بیگار کیمپ نہیں ہے۔''

''تو پھر ہمیں بتائیں ... بیگار کیمپ کس طرف ہے۔''

''آپ کیسی باتیں کرتے ہیں ... مجھے بھلا کیا معلوم ... میرے خیال میں تو اس طرف ایسا کوئی کیمپ ہے ہی نہیں۔''

''اور آپ کا نام کیا ہے۔''

''میرا نام؟... میرا نام بازان ہے۔''

''کیا نام بتایا ... بازان۔''

''ہاں بازان۔'' اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

''اچھا تو مسٹر بازان ... آپ یہیں کہیں رہتے ہیں یا آپ کا

گھر یہاں سے دور ہے۔''

''میرا گھر یہاں بھی ہے ... اس آبادی سے نکل کر ایک اور گھر بھی ہے ... جہاں میری بیوی اور بچے رہتے ہیں۔''

''اور اس سارے کیمپ کے مالک آپ ہیں ... ان لوگوں سے پتھر آپ ہی تڑواتے ہیں اور شام کو انہیں مزدوری دیتے ہیں۔''

''بالکل یہی بات ہے۔''

اب وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف مڑے:

''چلو بھئی ... ذرا بازان صاحب کے گھر ہو آتے ہیں۔''

''آپ نے کیا کہا ... میرے گھر ہو آئیں ... بھلا آپ میرے گھر کیوں جائیں گے وہاں آپ کا کیا کام ... کیا یہ آپ کو بیگار کیمپ لگتا ہے۔''

''نہیں یہ بیگار کیمپ نہیں ہے ... لیکن آس پاس کوئی بیگار کیمپ ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ آپ ہی اس کے کرتا دھرتا ہوں۔''

''آپ حد سے بڑھ رہے ہیں ... جائیں اپنا کام کریں ... میں نہیں لے جاتا آپ کو اپنے گھر۔''

''نہ نہ آپ ایسا نہ کہیں ... اس طرح تو معاملہ بڑھ جائے گا۔''

''بڑھتا ہے تو بڑھ جائے۔''

''اوکے آپ کی مرضی ...''

یہ کہہ کر انہوں نے فوجی جوانوں کو اشارہ کیا... وہ آگے بڑھے اور انہوں نے بازان پر رائفلیں تان دیں:

''کیا... کیا مطلب۔''

بازان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا... عین اس لمحے ایک ہیلی کاپٹر نیچے اترتا نظر آیا... وہ اس کی طرف دیکھنے لگے... اس وقت بازان کے منہ سے نکلا:

''آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔''

☆☆☆

بازان

انہوں نے بازان کی طرف دیکھا بھی نہیں...

وہ تو ان فوجیوں کی طرف دیکھ رہے تھے جو ہیلی کاپٹر سے اتر کر ان کی طرف آرہے تھے:

''سر! جہاں تک ہم نے نظر دوڑائی ہیں... وہاں تک تو کوئی بیگار کیمپ نہیں آیا۔''

''اور آئے گا بھی نہیں۔'' بازان نے طنزیہ انداز اختیار کیا۔

''کوئی بات نہیں... باقی ساتھیوں سے کہیں کہ تلاش جاری رکھیں اور آپ لوگ تلاش کا دائرہ ذرا بڑا کر دیں... ہم ذرا بازان صاحب کے گھر ہو آئیں۔''

''اوکے سر۔'' یہ کہہ کر وہ ہیلی کاپٹر کی طرف مڑ گئے۔

''آخر آپ میرے گھر کیوں جانا چاہتے ہیں۔''

’’آپ کے گھر کی تلاشی لیں گے۔‘‘

’’حد ہوگئی ... میں نے کیا جرم کیا ہے۔‘‘

’’بتا چکے ہیں، ہمیں اس طرف ایک بیگار کیمپ کی تلاش ہے۔‘‘

’’اور میں نے بتایا کہ اس طرف کوئی بیگار کیمپ نہیں ہے۔‘‘

’’یہ کہنے سے یہ بات ثابت نہیں ہو جاتی ... ہم اپنا اطمینان کریں گے۔‘‘

’’آپ کی مرضی ... آیئے میرے ساتھ۔‘‘ اس نے بھنا کر کہا اور ان کے آگے آگے چلنے لگا ... وہ سب اس کے پیچھے چل پڑے ... اب ان کے ساتھ دس کے قریب فوجی بھی تھے ... کیونکہ یہ سارا علاقہ ان کے لیے بالکل نیا تھا اور کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کیا حالات پیش آسکتے ہیں۔

بازان کا گھر زیادہ دور ثابت نہیں ہوا۔ وہ کوئی بڑا یا شاندار مکان نہیں تھا ... بس عام سا گھر تھا ... ظاہر ہے یہ اس کا عارضی ٹھکانا تھا ... اصل گھر تو کہیں اور تھا۔

’’لیں جی ... اندر جا کر دیکھ لیں۔‘‘

یہ کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھول دیا گویا اندر کوئی نہیں تھا:

’’مسٹر بازان! کیا آپ اکیلے رہتے ہیں‘‘

’’میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میرا گھر یہاں نہیں دارالحکومت میں ہے ... یہاں تو کام کے سلسلے میں رہنا پڑتا ہے۔‘‘

’’اوہ اچھا ... آپ پہلے اندر چلیں۔‘‘

’’یہ لیں ... میں پہلے اندر داخل ہوگیا۔‘‘

وہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوگئے ... لیکن وہاں ایک چارپائی اور کھانے کے برتنوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا ... پھر بھی انہوں نے غور سے اس کمرے کا جائزہ لیا ... یہ کمرہ اینٹوں کی بجائے پتھروں کے ٹکڑوں کا بنایا گیا تھا۔

آخر وہ مایوس ہو کر نکل آئے ... واپس ہیلی کاپٹر کے پاس آئے ... بازان نے ان سے طنزیہ انداز میں کہا:

’’کیا خیال ہے ... کیا اب میں جا سکتا ہوں۔‘‘

’’ہاں!‘‘

وہ اس طرف چلا گیا ... جہاں پتھر توڑے جا رہے تھے:

’’یوں بات نہیں بنے گی ... میرا خیال ہے ہمیں خود ہیلی کاپٹر پر بیٹھ کر اردگرد کا بغور جائزہ لینا ہوگا۔‘‘

’’ایسا ہی کر لیتے ہیں جمشید ... ویسے میرا خیال ہے ... اس طرف کوئی بیگار کیمپ نہیں ہے۔‘‘ پروفیسر داؤد نے خیال ظاہر کیا۔

'' ہم ایسا سوچ سکتے تھے، لیکن اس شخص بازان کا انداز بہت عجیب ہے... اگر یہ شخص غلط نہ ہوتا تو ہم سے اس قدر سخت انداز میں بات کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی لہٰذا پہلے ہم خود ہیلی کاپٹر کے ذریعے جائزہ لیں گے... اور اس کے بعد ایک اور کام کریں گے۔''

'' ایک اور کام۔'' ان کے منہ سے سوالیہ انداز میں نکلا۔

'' ہاں! ایک اور کام... اس کی تفصیل میں بعد میں بتاؤں گا ... آؤ چلیں۔''

اب انہوں نے فوجی آفیسر سے رابطہ کیا اور اسے بتایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں... جلد ہی ایک ہیلی کاپٹر اترتا نظر آیا... آخر وہ اس پر سوار ہو گئے:

'' پروفیسر صاحب... آپ کے پاس ایک ننھی سی دوربین ہوتی ہے... جو جیب کے ایک کونے میں سما جاتی ہے۔''

'' ہاں جمشید... کیوں نہیں۔''

انہوں نے مسکرا کر کہا اور دوربین انہیں دے دی... فضا میں بلند ہونے کے بعد انہوں نے دوربین آنکھوں سے لگائی... باقی لوگ دوربین کے بغیر نیچے کا جائزہ لے رہے تھے:

'' یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔'' فرزانہ کی آواز ابھری۔

'' اللہ کا شکر ہے... جلدی بتاؤ۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

'' آخر ہم نیچے کام کرنے والوں کو دیکھ کر یہ اندازہ کس طرح لگا سکتے ہیں کہ وہ کوئی بیگار کیمپ ہے یا نہیں۔''

'' اس سوال کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں... بیگار کیمپ میں کام کرنے والوں کو آزاد نہیں چھوڑا جاتا... ان کے چاروں طرف اسلحہ بردار پہرہ دیتے ہیں... یہ پہرہ رات میں بھی جاری رہتا ہے... جب کہ وہ لوگ اپنے کمروں میں سو رہے ہوتے ہیں۔''

'' بالکل ٹھیک ابا جان۔'' محمود نے کہا۔

'' لیکن!'' فرزانہ نے زوردار انداز میں کہا۔

انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کوئی بہت خاص بات کرنا چاہتی ہو۔

'' لیکن کیا۔'' وہ ایک ساتھ بول پڑے۔

'' لیکن... جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اوپر ہیلی کاپٹر آگئے ہیں اور زمین پر فوج آگئی ہے تو نگرانی کرنے والے ہٹا لیے ہوں گے یا چھپ گئے ہوں گے... ایسی جگہوں پر... جہاں سے وہ پتھر توڑنے والوں کو تو زد میں رکھ سکیں... لیکن ہمیں نظر نہ آ سکیں... اور ظاہر ہے... ہیلی کاپٹر سے تو ایسے لوگ کسی صورت نظر نہیں آ سکتے۔''

فرزانہ کی بات سن کر وہ ساکت رہ گئے ... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''اس میں شک نہیں ... فرزانہ کی بات میں بہت زیادہ وزن ہے۔''

''تب پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا بھلا۔'' فاروق بولا۔

''یہ بات بھی فرزانہ ہی بتائے گی۔'' محمود مسکرایا۔

''ہاں بالکل۔'' انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

''ہمیں کیمپ میں کام کرنے والے لوگوں سے بات چیت کرنا ہوگی ... بات چیت کے دوران ان کی آنکھوں میں جھانکنا ہوگا ... آزادانہ کام کرنے والوں کی آنکھوں میں کوئی غم نہیں ہوگا ... کوئی دکھ نہیں ہوگا ... کوئی الجھن نہیں ہوگی ... کوئی حسرت نہیں ہوگی، لیکن بیگار کیمپ میں کام کرنے والوں میں سے کسی ایک کی آنکھ سے بھی بے فکری ٹپکتی محسوس نہیں ہوگی ...'' فرزانہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''ہوں! فرزانہ کی بات معقول ہے ... اس دوران ہیلی کاپٹر بھی اوپر گردش کرتے رہیں گے اور ہم ان کے تلاش کردہ کیمپوں کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے رہیں گے۔''

''بہت خوب! یہ بہت اچھا پروگرام رہے گا ...'' خان رحمان

نے خوش ہو کر کہا۔

''ایک بات اور۔'' انسپکٹر جمشید نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''جی ... وہ کیا؟''

''اگر ہم میں سے کوئی یہ بات بھانپ لے کہ وہ بیگار کیمپ میں موجود ہے ... تو یہ بات کسی پر بھی ظاہر نہ کرے ... محسوس بھی نہ ہونے دے کہ ہم نے کوئی بات بھانپ لی ہے ... جب ہم اپنی جگہ پر جمع ہو جائیں ... اس وقت رازدارانہ انداز میں بتائے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''تو پھر یہ طے رہا، کل سے ہم یہ طریقہ اختیار کریں گے۔''

''اور رات کو ہم کیا کریں گے ... کہاں سوئیں گے۔'' پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

''اب تو پوری سرائے ہمارے پاس ہے۔'' خان رحمان ہنسے۔

''اوہ ہاں! میں تو بھول ہی گیا۔''

''آپ ایک اور بات بھول گئے انکل۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''اور ... وہ کیا۔'' انہوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''آج کا کھانا گول ہو گیا۔''

''ارے باپ رے ... میں بھی کہوں ... پیٹ میں بل کیوں پڑ

رہے ہیں۔'' ان کا رنگ اڑ گیا۔

ان سب کو ہنسی آ گئی... پھر وہ سرائے میں آ گئے... سرائے کے ملازمین زیر حراست تھے... ان سے کھانا تیار کرایا گیا... اور پہلے انہیں کھلا کر اطمینان کیا گیا... تب انہوں نے کھایا... اب وہ اپنے اسی کمرے میں آ گئے... اس وقت محمود نے کہا:

''میرے ذہن میں ایک اور بات آ رہی ہے۔''

''ارے تو کہہ کیوں نہیں دیتے بھائی۔'' پروفیسر مسکرائے۔

''اور وہ بات یہ ہے... یہاں تو چاروں طرف چھر تڑوائے جاتے ہیں... آخر ہم نے اسی سمت کو چیک کرنے کی کیوں ٹھان لی... اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ بیگار کیمپ یہاں نہ ہو... کسی اور سمت میں ہو۔''

''اس کا امکان ہے... لیکن اس طرف توجہ دینے کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اصل میں یہاں عجیب و غریب حالات پیش آئے ہیں نا ...اب دیکھو نا... سرائے کا مالک ہی ہمیں لوٹنے پر تل گیا۔ پھر اس نے جس انداز میں مقابلہ کیا اور اپنی مدد کے لیے مسلح لوگوں کو بلوایا... اس سے یہ بات ذہن میں آئی کہ ہو نہ ہو... وہ کیمپ انہی لوگوں نے بنا رکھا ہو... جو لوگ اس قدر ظالم ہوں کہ لوگوں کا مال لوٹنے

کے لیے، ان کی گاڑیوں پر قبضہ کرنے کے لیے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے ہوں... ان سے ایسی امید بھی کی جا سکتی ہے...''

''بالکل ٹھیک... لیکن یہ بات سو فیصد یقین سے نہیں کہی جا سکتی... اس لیے ہمیں دوسری اطراف کو بھی چیک کرنا چاہیے... اگر اس طرف حالات ایسے پیش نہ آئیں... وہاں کے لوگ اکھڑ ثابت نہ ہوں... تلاشی دینے میں رکاوٹ نہ ڈالیں تو پھر ہم یہ کہہ سکیں گے کہ زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ وہ کیمپ انہی اطراف میں ہے جہاں ہم فی الحال تلاش کر رہے ہیں۔''

''محمود کی بات میں بہت وزن ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے کسی کی بات میں وزن تو ثابت ہوا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''میں جلا نہیں جا رہا... اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

''مطلب یہ کہ کل ہم باقی تین اطراف کو چیک کریں گے...'' خان رحمان جلدی سے درمیان میں بول پڑے۔

''اور اس کے بعد اگر اس طرف آنا پڑا یعنی باقی تین طرف

کیمپ کا سراغ نہ ملا تو ظاہر ہے، ہم واپس اسی طرف آئیں گے۔''

''بالکل ٹھیک ہے جمشید ... لہٰذا راتوں کو چھپ کر کیمپ تلاش کرنے کی بجائے فرزانہ والی ترکیب ہی ٹھیک رہے گی کہ وہاں کے لوگوں سے ملاقات اور بات چیت کے ذریعے اندازہ لگایا جائے ... ہاں جب ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ ہم نے درست کیمپ تلاش کر لیا ہے تب ہم ان میں سے چند ایک سے رات کے وقت خفیہ طور پر ملاقات کر کے تصدیق کر سکیں گے۔''

''بس تو پھر کل پہلے تین اطراف والے کیمپوں کو چیک کریں گے اور دیکھیں گے ان اطراف کے لوگ بھی تلاشی وغیرہ میں بازان کی طرح رکاوٹ ڈالتے ہیں یا نہیں ... گڑ بڑ کرتے ہیں یا نہیں۔''

یہ پروگرام طے کر کے انہوں نے سونے کی ٹھانی ... دوسرے دن فوج، ہیلی کاپٹر اور وہ خود ان اطراف سے نکل آئے اور باقی تین اطراف میں باری باری گئے ... وہاں کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں ... گھروں کی تلاشیاں لیں ... لیکن کوئی شک والی بات محسوس نہ ہوئی ... تب انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بازان والے اطراف کا ہی بغور جائزہ لیا جائے گا ... اور ایک ایک کیمپ کو چیک کیا جائے گا ... چاہے وہاں رائفلوں والے نگرانی کرتے نظر نہ بھی آئیں۔ پھر وہ واپس سرائے میں

آ گئے ... سرائے ابھی تک فوجیوں کے کنٹرول میں تھی ...

تیسرے دن انہوں نے صبح سویرے ناشتے کے بعد اپنا کام شروع کر دیا ... پہلے ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر جائزہ لیا گیا ... بازان کے کیمپ سے آگے انہیں ایک اور کیمپ نظر آیا ... انہوں نے پہلے اسی کو چیک کرنے کا پروگرام طے کر لیا ... لہٰذا فوج کو اشارہ دیا گیا کہ اس طرف پہنچ جائے۔ خود وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہاں اتر گئے۔

پتھر توڑنے والے تو پہلے ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے ... انہوں نے چاروں طرف دیکھا تو بازان جیسا ہی ایک شخص ان کی طرف بڑھنے لگا ... قریب آ کر اس نے کہا:

''ہاں جناب! یہ سب کیا ہے ... فوج نے کیمپ کے گرد گھیرا کیوں ڈالا ہے اور یہ ہیلی کاپٹر لیے آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔'' اس کا لہجہ کافی ناگوار تھا:

''آپ کا نام۔''

''آپ میرے نام کو چھوڑیں ... کام کی بات کریں۔''

''کام کی بات کر لیتے ہیں ... ہمیں ایک بیگار کیمپ کی تلاش ہے ... ان اطراف میں ایک ہے ... وہاں اغوا کیے گئے لوگوں سے کام لیا جاتا ہے ... گویا ان بے چاروں کو قیدی بنایا ہوا ہے ... اگر

آپ کو ہماری اس تلاش پر اعتراض ہے تو پہلے آپ کو بتانا ہوگا...
آپ کو کیا اعتراض ہے اور کیوں ہے۔'' یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید
خاموش ہو گئے۔

''اوہ اچھا! یہ بات ہے... ایسے لوگوں کو تو پھانسی پر چڑھا دینا
چاہیے... آپ گھوم پھر کر اپنا اطمینان کر لیں... یہاں اس کیمپ میں
جتنے لوگ ہیں... ان سب کو شام کے وقت مزدوری دی جاتی ہے...
اور یہ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، جب کہ بیگار کیمپوں میں ساتھ
ان کی کوٹھریاں بنائی جاتی ہیں... رات کو انہیں ان کوٹھریوں میں بند
کر دیا جاتا ہے۔''

''ہمیں بھی ایسی کوٹھریوں کی تلاش ہے... اگر وہ مل جاتی ہیں
تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''آپ یہاں گھوم پھر کر دیکھ لیں... اگر ایسی کوٹھریاں مل جاتی
ہیں تو مجھے گرفتار کر لیں۔''

''تو یہ آپ کا کیمپ ہے اور آپ اپنا نام بتانا نہیں چاہتے۔''

''بتا دیتا ہوں... ظفران خان ہے میرا نام۔''

''چلو بھئی... ذرا گھوم پھر کر دیکھتے ہیں۔''

انہوں نے فوجیوں کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا اور خود پتھر

توڑنے والوں کے پاس آ کر ادھر ادھر پھیل گئے تا کہ مختلف حصوں میں
مختلف لوگوں سے بات چیت کر سکیں... محمود ایک شخص کی طرف بڑھا
تو اس نے اپنا ہتھوڑا روک لیا:

''ہم آپ سے دو ایک باتیں کر سکتے ہیں۔''

''اگر مالک اجازت دیں تو ضرور کریں... ورنہ وہ ہم پر
بگڑیں گے کہ ہم نے ہاتھ کیوں روکے۔''

''آپ ہتھوڑا بھی چلاتے جائیں اور بات بھی کرتے جائیں...
اس صورت میں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ویسے ہم ان سے
اجازت لے کر آئے ہیں... لہٰذا وہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔''

''پوچھیے پھر...''

''آپ یہاں قید تو نہیں ہیں۔''

''نہیں... بالکل نہیں... ہم آزاد ہیں... اپنا وقت پورا کرنے
کے بعد اجرت لے کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔''

''اور آپ کے گھر کس طرف ہیں۔''

''جی... اس طرف۔'' اس نے اشارہ کیا۔

''یہاں سے کتنی دور بھلا۔'' محمود نے پوچھا۔

''پندرہ منٹ کا راستہ ہوگا۔''

''اوہ اچھا... کیا وہاں آپ لوگوں کی بستی ہے۔''

''جی ہاں!'' اس نے نظریں نیچی رکھتے ہوئے کہا۔

''ذرا سر اٹھا کر بات کریں نا، نیچے کیوں دیکھ رہے ہیں۔''

''ہمیں یہی حکم ہے۔'' اس نے دبی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب... کیا حکم ہے آپ کو۔'' محمود نے چونک کر کہا... اس نے اس قدر آہستہ آواز میں کہا تھا کہ خود وہ بھی مشکل سے سن سکا تھا۔ اور اس نے جو یہ پوچھا تھا کہ کیا حکم ہے آپ کو... تو یہ بھی بہت آہستہ آواز میں پوچھا تھا۔

''ہمیں حکم ہے... جس سے بھی جو بات بھی کرنی ہے سر جھکا کر کرنی ہے... نظروں میں نظر ڈال کر اکھڑ انداز میں نہیں کرنی۔''

''اوہ اچھا! لیکن میں چاہتا ہوں... آپ میری طرف ایک نظر ڈال کر بات کریں۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے... اور آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔'' اس نے حیران ہو کر کہا۔

''اس کی ضرورت ہے، مہربانی کرکے ایک نظر دیکھ لیں۔''

''اور اگر کسی نگرانی کرنے والے نے دیکھ لیا۔'' وہ ڈرے ڈرے انداز میں بولا۔

''ایک منٹ۔'' محمود نے کہا اور چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ اس وقت اسے عجیب سا احساس ہوا... جیسے ہر طرف سے بہت سی آنکھیں اس پر جمی ہوں... اس نے فوراً کہا:

''آپ ٹھیک کہتے ہیں... آپ نظریں نہ اٹھائیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ سرسری انداز میں آگے بڑھ گیا۔ اسی طرح وہ سب پورے کیمپ میں گھوم پھر کر واپس اسی جگہ آگئے جہاں سے سب چلے تھے:

''کیا رہا بھئی۔''

''یہ سب لوگ بالکل ٹھیک ہیں... آزاد ہیں قیدی نہیں ہیں۔'' محمود نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

''تو آج کا دن بھی ضائع گیا۔'' انسپکٹر جمشید تھکے تھکے انداز میں بولے۔ اور پھر وہ وہاں سے واپس آگئے...

سرائے میں آکر انسپکٹر جمشید نے عجیب سے انداز میں کہا:

''ہاں محمود... اب کھل کر بات کرو... کیا یہ لوگ آزاد ہیں۔''

''شش... شاید نہیں۔'' محمود نے دبی آواز میں کہا۔

وہ سب چونک اٹھے۔

☆☆☆

ان کے گھر

سب کی نظریں محمود پر جم گئیں... ان کے چہروں پر حیرت دیکھ کر اس نے کہا: ''تو آپ لوگوں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔''

''ہاں کیوں نہیں ... سب لوگ نظریں نیچی کیے ہوئے تھے... کسی نے ہماری طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم نے کوشش کی بھی تو دبی آواز میں کہا گیا... ہمیں حکم ہے کہ نظریں نیچی رکھیں۔'' فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

''تب پھر کیا اندازہ لگایا۔''

''یہ کہ معاملہ گڑبڑ ہے ... اگر اس کیمپ کے لوگ آزاد لوگ ہیں تو انہیں یہ حکم کیوں دیا گیا ... دوسری بات ... ہم نے ان کا رہائشی حصہ ابھی نہیں دیکھا ... ہمیں اشارے سے بتایا گیا ہے کہ اس طرف ان کی رہائش ہے ...''

''تو ہم رات کے وقت اس طرف جا کر دیکھ لیتے ہیں ... پتا تو چلے وہ عام رہائش ہے یا جیل کی کوٹھریاں ہیں۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

نصف رات کے وقت وہ سرائے سے چوروں کی طرح نکلے... سرائے کی لائٹس پہلے ہی بجھا دی گئی تھیں ... یعنی شروع رات سے ہی ... تاکہ کوئی شک نہ کرے ... اس طرح وہ تاریکی میں نکلے اور اس کیمپ کی طرف چل پڑے ... کیمپ کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے اس طرف کا رخ کیا جس سمت انہیں رہائشی حصہ ہونے کے بارے میں بتایا گیا تھا ... وہ آدھ گھنٹے تک چلتے رہے ... لیکن کوئی رہائشی آبادی نظر نہ آئی ... رات چاندنی تھی ... اس لیے انہیں موبائل ٹارچوں کا سہارا نہیں لینا پڑا تھا:

''یہاں تو کوئی آبادی نہیں ہے۔'' پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

''اور آگے چلتے ہیں ... ورنہ پھر کل ان میں سے کسی کو ساتھ لے کر اس طرف آئیں گے اور اس سے کہیں گے ... ہمیں رہائش دکھا دو ... کیونکہ ظاہر ہے، جو لوگ اغوا شدہ ہیں ... انہیں عام گھروں میں نہیں رکھا جا سکتا ... انہیں تو کیمپ کے آس پاس ہی کوٹھریوں میں رکھا جاتا ہے... جب ان میں سے کوئی ہمارے ساتھ جائے گا اور

رہائش نہیں دکھا پائے گا تو ہم اس سے پوچھیں گے... آخر آپ لوگ کہاں رہتے ہیں۔"

اب وہ واپس روانہ ہوئے... ابھی فاصلے پر تھے کہ انہوں نے دور آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے:

"ارے... یہ کس کے گھر کو آگ لگ گئی۔" پروفیسر بولے۔

"ہمارے ہی گھر کو لگی ہے شاید۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا مطلب... ہمارا گھر یہاں کہاں۔" خان رحمان چونکے۔

"میرا مطلب ہے... شاید یہ آگ سرائے میں لگائی گئی ہے تاکہ ہم جل کر مر جائیں... ان بے چاروں کو کیا پتا... جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے... اللہ کا شکر ہے... ہم وہاں سے پہلے ہی نکل آئے تھے۔"

"لیکن... یہ ضروری نہیں کہ یہ آگ سرائے میں ہی لگی ہو۔" پروفیسر بولے۔

"معلوم ہو جائے گا۔"

ان کے قدم اب تیز تیز اٹھ رہے تھے... نزدیک پہنچنے پر انہوں نے جان لیا کہ سرائے کا ایک حصہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا اور فوجی جوان آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے... اور پھر آدھے

گھنٹے کی کوشش کے بعد آگ پر قابو پا لیا گیا... زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا... فوجی جوانوں نے بروقت ایکشن لے کر سرائے کو مکمل طور پر تباہ ہونے سے بچا لیا تھا... جس طرف ان کے کمرے تھے وہ حصہ البتہ بالکل محفوظ تھا... اس پر ایک آنچ بھی نہیں آئی تھی... باورچی خانہ بھی اسی حصے میں تھا اور وہ بھی بچ رہا تھا... یہ دیکھ کر پروفیسر داؤد کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی جسے وہ سب محسوس کیے بغیر اور اس پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

انہیں دیکھ کر فوج کا کیپٹن ان کی طرف لپکا...

"اللہ کا شکر ہے... آپ لوگ خیریت سے ہیں..."

"جی ہاں... ہم لوگ رات کے بارہ بجے یہاں سے اپنی تلاش کے سلسلے میں نکلے تھے... واپسی پر آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔"

"یہ آگ بھی عجیب طریقے سے لگائی گئی تھی... حالانکہ ہمارے جوان سرائے کے اطراف تعینات تھے اور پوری طرح چوکس تھے... لیکن یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان پر آتشی تیر برسائے جائیں گے۔"

"کیا کہا... آتشی تیر؟" وہ اچھل پڑے۔

"جی ہاں... آگ کے شعلے اچانک بھڑک اٹھے تھے... لیکن پھر

ہمارے ایک جوان کی نظر ایک اڑتے ہوئے تیر پر پڑی اور اس نے نشانہ لے کر فائر کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر ادھر کچھ پیچھے ہی آ گرا ...''

''کیا ہم اس تیر کو دیکھ سکتے ہیں ...'' انسپکٹر جمشید بولے۔

کیپٹن نے اپنے کسی ماتحت کو آواز دے کر ہدایات دیں اور اگلے ہی لمحے ایک فوجی جوان تیر کے ٹکڑے اٹھائے ان کی طرف آتا نظر آیا ... کیپٹن نے اس کے ہاتھ سے تیر کے ٹکڑے لے کر انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھائے۔

''دیکھئے پروفیسر صاحب ... اور بتایئے ان آتشی تیروں کا راز کیا ہے۔''

''آتشی تیروں کا راز ...'' فاروق کے منہ سے کھوئے کھوئے انداز میں نکلا ...

محمود اور فرزانہ نے ایسا منہ بنایا جیسے کوئی کڑوی کسیلی چیز حلق سے اتر گئی ہو ...

دوسری طرف پروفیسر داؤد تیر کا بغور جائزہ لے رہے تھے ... پھر وہ بولے: ''یہ تیر ایک ایسے کیمیکل میں بجھایا گیا ہے جو ٹکراتے ہی آگ پکڑ لیتا ہے ... یوں سمجھو ... ماچس کی تیلی کی طرح ...''

''اوہ ... اوہ۔'' وہ دھک سے رہ گئے ...

''ہاں ... لیکن یہ کوئی انوکھی ایجاد نہیں ... اس طرح کے ہتھیار سینکڑوں سال پہلے بحری جنگوں میں دشمن کے جہازوں کو آگ لگا کر ڈبونے کیلئے بھی استعمال ہوتے رہے ہیں ... پھر توپیں اور گولہ بارود کی ایجاد کے بعد اس کا استعمال آہستہ آہستہ معدوم ہوگیا۔''

''بہت خوفناک وار تھا ...''

''اور ان کی ہمت اور حوصلہ تو دیکھو ... فوج سے بھی الجھنے پر تیار ہیں ... انتہا ہے دیدہ دلیری کی۔''

''سر ... اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا گہرا تعلق ان دہشت گرد ملک دشمنوں سے بھی ہے جو اپنے دین اور ایمان کا سودا کر کے ہماری فوج کے خلاف ملک کے شمالی حصے میں لڑ رہے ہیں ... یہ خود کو سچا مسلمان سمجھتے ہیں ... اور حد تو یہ ہے کہ ان کے ساتھی ان کے خلاف لڑنے والے ہمارے فوجیوں کو غازی اور شہید کہنے سے بھی کتراتے ہیں۔''

''آپ نے درست کہا ... ہم پر یعنی فوج پر حملہ کرنے کی ذلیل حرکت ان دہشت گردوں کے ساتھی ہی کر سکتے ہیں۔'' کیپٹن بولا

''اس کا مطلب ہے کہ جو لوٹ مار یہاں کی جا رہی ہے اس کی رقم شمالی علاقوں کے دہشت گردوں کو پہنچائی جا رہی ہے ...''

'' اس بار ہمارا سامنا بہت ہی خطرناک دشمن سے ہے ...''

'' تو ... اب کیا پروگرام ہے ...''

'' جو کیمپ ہم نے کل دیکھا ہے اسی پر شک ہے ... اس طرف ان مزدوروں کی رہائش بھی نہیں ملی جس طرف رہائش بتائی گئی تھی۔''

'' بس تو پھر گھیر لیتے ہیں انہیں۔''

'' ہاں! اور ہم ان سے مطالبہ کریں گے ... وہ ان لوگوں کی رہائش ہمیں دکھائیں۔''

ان کی ہدایات کے مطابق فوج نے اس کیمپ کو گھیرے میں لے لیا۔ کیمپ کے لوگ یہ سب دیکھ رہے تھے لیکن اپنا کام کیے جا رہے تھے۔ ایسے میں کیمپ کا مالک آ پہنچا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا:

'' آخر یہ کیا ہو رہا ہے... آپ نے کل پورا کیمپ چیک کر لیا تھا ... آج پھر آ گئے ہیں... کیا ابھی تک آپ کا اطمینان نہیں ہوا۔''

'' نہیں ہوا... آپ کا نام کیا ہے۔''

'' میرا نام... میرا نام ظفران خان ہے۔'' اس نے بھنا کر کہا۔

'' ظفران خان... آپ کے کیمپ کے لوگوں سے کل ہم نے پوچھا تھا کہ ان سب کی رہائش کہاں ہے تو ان لوگوں نے اشارے

سے بتایا کہ اس طرف ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

'' ہاں تو پھر ... '' ظفران نے بھنا کر کہا۔

'' کیا آپ بھی یہی کہتے ہیں۔''

'' ہاں بالکل۔''

'' لیکن اس طرف ان کی کوئی رہائش نہیں ہے۔''

'' کیا مطلب ؟'' اب وہ چونکا۔

'' ہم نے اس طرف جا کر دیکھا ہے۔''

'' بالکل غلط ... اگر آپ لوگوں نے اس طرف جا کر دیکھا ہوتا تو ہم آپ کو دیکھ نہ لیتے ... ہم تو یہیں تھے آخر۔''

'' ہم نے یہ کام رات کے وقت کیا تھا۔''

'' کیا !!!'' اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

'' ہاں جناب! اگر آپ سچے ہیں... یہ لوگ سچے ہیں تو ہمیں وہ رہائش دکھائیں ... ورنہ پھر وجہ بتائیں ... آپ نے جھوٹ کیوں بولا، ان لوگوں نے جھوٹ کیوں بولا اور ان کی رہائش کہاں ہے۔''

اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا:

'' آپ ان کی رہائش کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' اس نے بیٹھی آواز میں پوچھا... پہلی بار اس کی آواز میں تختی نہیں تھی۔

'' اگر یہ لوگ آزاد ہیں تو ان کی رہائش بھی یہاں ہونی چاہیے ... ان رہائش گاہوں میں ان کے بیوی بچے بھی ہونے چاہئیں... لیکن اگر یہ قیدی ہیں... اغوا شدہ لوگ ہیں تو پھر اس کیمپ کے پاس ان کی کوٹھریاں ہونی چاہئیں... اب یا تو آپ ان کی رہائش دکھائیں یا پھر یہاں کوٹھریاں دکھائیں ورنہ پھر بتائیں یہ لوگ رات کے وقت کہاں سوتے ہیں۔''

'' آیئے ... میں آپ کو ان کی رہائش گاہیں دکھاتا ہوں۔''

اس نے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا اور قدم اٹھا دیے:

'' آؤ بھئی ... چلیں... کیپٹن صاحب... نصف فوج یہاں ٹھہرے گی اور نصف ہمارے ساتھ چلے گی ... آپ ہیلی کاپٹروں کو حکم دیں ... وہ اوپر گردش شروع کر دیں۔''

'' اچھی بات ہے۔'' کیپٹن نے فوراً کہا۔

جلد ہی وہ ظفران خان کے پیچھے چل رہے تھے اور ان کے سروں پر ہیلی کاپٹر گردش کر رہے تھے ... ان کے ساتھ فوجی تھے... انہوں نے رائفلیں تان رکھی تھیں... باقی فوجی وہیں کیمپ کے گرد موجود تھے:

'' ویسے ابا جان ! ابھی ابھی ذہن میں ایک بات آئی ہے ...

ہم یہاں گڈو کو بلا سکتے تھے ،وہ دیکھتے ہی بتا دیتا کہ یہی وہ کیمپ ہے یا نہیں ہے۔''

'' اگر ہم کیمپ کو تلاش نہ کر سکے ... تو اسے بھی بلا لیں گے... لیکن میرا خیال ہے ، ہم کامیابی کے نزدیک ہیں۔''

'' اللہ کرے ایسا ہی ہو۔''

وہ تقریباً نصف گھنٹے تک چلتے رہے ... پھر ایک آبادی انہیں نظر آ گئی ۔ اس وقت ظفران خان نے کہا:

'' یہ رہی ان لوگوں کی رہائش گاہیں۔''

'' بہت خوب ... لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ انہی لوگوں کی آبادی ہے... یہ کسی اور کیمپ کے لوگوں کی آبادی بھی تو ہو سکتی ہے۔''

'' پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس طرف کوئی رہائش گاہیں ہیں ہی نہیں۔'' ظفران خان نے طنزیہ کہا۔

'' ہمیں کام کرنے والوں نے بتایا کہ ہماری رہائش اس سمت میں ہے ،لہٰذا ہم نے اس سمت میں دیکھا تھا ... لیکن آپ ہمیں اور سمت میں لائے ہیں ، اب اس کا فیصلہ کیسے ہو ... کہ یہ انہی لوگوں کی رہائش ہے... یا کچھ اور لوگوں کی۔'' انہوں نے کہا۔

''یہ آپ بتائیں ... اس کا فیصلہ کیسے ہو۔''

"ہم کیمپ کے کچھ لوگوں کو بلا لیتے ہیں ... اگر انہوں نے تصدیق کر دی تو ہم مان لیں گے ورنہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے ... آپ بلا لیں وہاں سے کچھ لوگوں کو۔" اس نے بڑا سا منہ بنایا۔

چند فوجیوں کو واپس کیمپ کی طرف روانہ کیا گیا ... وہ گئے اور تقریباً دس آدمیوں کو ساتھ لے آئے ... ان کے چہروں پر خوف ہی خوف تھا... نزدیک پہنچنے پر انسپکٹر جمشید نے انہیں مخاطب کیا:

"کیا تم لوگ یہاں... ان گھروں میں رہتے ہو۔"

"جی... جی ہاں۔"

"محمود ... ان کے نام لکھ لو۔" انہوں نے کہا۔

"نام لکھ لو ... کیا مطلب... یہ آپ کیا کر رہے ہیں آخر۔"

"نام لکھ رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"اس کی کیا ضرورت۔"

"ابھی ضرورت بتا دیتے ہیں ... فکر نہ کریں۔"

محمود نے نام لکھ لیے۔ اب ان میں سے ایک سے کہا گیا:

"اب بتائیں ... ان میں آپ کا گھر کون سا ہے ..."

"وہ سفید پردے والا گھر میرا ہے۔" اس نے کہا۔

"اس گھر میں اور کون کون رہتا ہے۔"

"میری بیوی، خالہ، دو بیٹے ارشد اور منیر۔" اس نے کہا۔

"جاؤ ... فرزانہ ... اس گھر میں چلی جاؤ ... پوچھو یہ اس کا گھر ہے... بچوں کا اور خاتون کا نام بھی پوچھنا۔"

"جی اچھا۔"

اب فرزانہ اس گھر کی طرف چلی جا رہی تھی اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے ... یہاں تک کہ فرزانہ اس گھر میں داخل ہو گی... دو منٹ بعد ہی وہ واپس آتی نظر آئی ... ان کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں... پھر وہ ان کے نزدیک آ گئی:

"ہاں فرزانہ کیا رہا۔"

"اس کا بیان درست ہے... وہاں ایک خاتون اور دو لڑکے ارشد اور منیر رہتے ہیں ... لڑکوں نے اپنے باپ کا نام طاہر خان بتایا ہے... اور یہی ان کا نام ہے۔"

"اوہ۔" وہ دھک سے رہ گئے... ان کی تفتیش کی عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو گئی تھی:

☆☆☆

ایک وار اور

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ...ان کے چہروں پر ایک رنگ آرہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا ... پھر انسپکٹر جمشید نے سنبھالا لیا ... اور دوسرے مزدور سے بولے:

"ہاں میاں! آپ کا گھر کون سا ہے۔"

"وہ یہاں سے نظر نہیں آرہا ... تھوڑا آگے چل کر بائیں طرف دیکھنے سے نظر آئے گا۔"

"اور تمہارا نام کیا ہے۔"

"عبدالغفور۔"

"آئیں ... پھر آگے چلتے ہیں۔"

"ہاں ہاں ضرور ... آپ آج اپنا پورا اطمینان کریں۔"

ظفران خان نے طنزیہ کہا۔

وہ وہاں سے آگے بڑھے، پھر ایک جگہ رک کر عبدالغفور نے

کہا: "وہ رہا میرا گھر۔"

"جاؤ فرزانہ پتا کرکے آؤ... یہ گھر کس کا ہے ... اور یہ بھی دیکھ آنا... وہاں کتنے افراد ہیں اور کون کون ہیں۔"

"جی اچھا۔"

فرزانہ نے کہا اور چلی گئی:

"آپ کے گھر میں کون کون ہیں۔"

"میری بیوی ... اور پانچ بچے ... اور میری ماں۔"

"شکریہ۔" انہوں نے کہا اور اس کے گھر کے دروازے کی طرف دیکھنے لگے... وہ سب اس وقت بے چینی سی محسوس کر رہے تھے اور اس بے چینی کی وجہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی ...

آخر فرزانہ آتی نظر آئی... اس کا منہ لٹکا ہوا دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ بات نہیں بنی ... نزدیک آکر اس نے کہا:

"یہ گھر عبدالغفور ہی کا ہے ... وہاں پانچ بچے اور دو عورتیں ہیں... ایک جوان اور ایک بوڑھی عورت۔"

"آؤ چلیں ... یہ وہ کیپ نہیں جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

"ہوگیا آپ کا اطمینان ... اب ہم جاسکتے ہیں... ہمیں آپ پریشان نہ کریں اور یہاں سے چلے جائیں ... سنا آپ نے۔"

'' ہم ڈیوٹی پر ہیں ... سنا آپ نے ... آپ ہم پر رعب نہیں جھاڑ سکتے ... نہ توہین آمیز لہجہ اختیار کر سکتے ہیں ، سنا آپ نے ۔''

ان کا لہجہ بہت سخت ہوگیا۔

'' ہاں سنا ۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

اور وہ سب وہاں سے لوٹ آئے... سرائے کے پاس ان کے لیے عارضی خیمے لگائے گئے تھے... ان میں آکر بیٹھ گئے :

'' یہ کیا ہوا ... کیا وہ کیمپ یہاں نہیں ہے ۔''

''شاید ہمارے ساتھ کوئی چال چلی گئی ہے... ان لوگوں کو یہ تو پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ ہم چیکنگ کریں گے اور اطمینان ہونے تک ہرگز نہیں جائیں گے ... اب فرض کیا ، وہ یہی کیمپ ہے... تو ذرا سوچو... انہوں نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہوگی تو آخر کیسے ... یہ سوچنا تم تینوں کا کام ہے۔''

'' ان تینوں کا کیوں... ہمارا بھی کیوں نہیں ۔'' پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

'' ہاں! ہم سب غور کرتے ہیں... یا تو یہ وہ کیمپ نہیں ... اور اگر وہی ہے تو ان لوگوں نے کس طرح چال چلی ہے ... یہ سوچنا ہوگا ... ہم فرض کر لیتے ہیں ... یہ وہی ہے تو چال کیسے چلی جائے گی ...

اس پر غور کرو ۔''

'' جی اچھا ۔''

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے ... آخر فرزانہ نے کہا :

'' مجھے ایک خیال سوجھا ہے ... ان لوگوں کو پہلے ہی تیار کر دیا گیا تھا...اور وہاں اپنے کچھ لوگ مزدور کے روپ میں شامل کر دیے گئے تھے... تاکہ جب ہم چیکنگ کے لیے کچھ لوگوں کو بلائیں تو وہ فوراً آگے آجائیں... اب ظاہر ہے... جن لوگوں نے بیگار کیمپ قائم رکھا ہے ... ان کے یہاں گھر تو ہوں گے ... نہ بھی ہوں گے تو ان کے ساتھ کام کرنے والے تو ہیں... ان کے گھر ہوں گے ... سو یہ وہ لوگ تھے... جو ہمارے ساتھ آگئے تھے... اور جن میں سے دو کو ہم نے چیک کیا... اب کل ہم پھر یہی کام کریں گے ... لیکن وہاں سے اپنی مرضی کے لوگ لے کر رہائش کی طرف جائیں گے ... اس طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا ... اگر یہ لوگ مجرم نہیں ہیں تو ہمارے اپنے لائے ہوئے لوگ بھی اپنے گھروں کے بارے میں بتا دیں گے ... لیکن اگر آج ہم سے چال چلی گئی ہے تو کل ان کی چال کا پول کھل جائے گا ۔''

'' فرزانہ کا خیال زوردار ہے ... کل اس پر عمل کریں گے ۔''

انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ ابا جان۔"

دوسرے دن انہوں نے پھر ظفران خان کے کیمپ کے گرد گھیرا ڈال دیا... جونہی اسے یہ بات معلوم ہوئی، وہ تیر کی طرح ان کی طرف آیا... اس کے چہرے پر بلا کا غصہ تھا:

"آپ لوگ پھر آگئے... اب کیا ہے۔"

"کل ہم سے چوک ہو گئی... ہمیں یہاں سے اپنی مرضی کے آدمی رہائش گاہوں تک لے جانے چاہییں تھے... جب کہ ہوا ہے اس کے الٹ... ہمارا خیال ہے... وہ لوگ آپ کے ملازم تھے... آپ نے انہیں پہلے ہی سکھا پڑھا دیا تھا... یہ کہ جب ہم یہاں سے کچھ لوگوں کو لے جانے لگیں تو تم لوگ فوراً آگے آجاؤ... مطلب یہ کہ جن دو افراد کو ہم رہائش تک لے گئے تھے... وہ تو مزدور تھے ہی نہیں... وہ تو آپ کے لیے کام کرنے والے تھے... لہٰذا آج ہم اپنی مرضی کے لوگ لے کر جائیں گے... اگر وہ بھی وہاں کے رہائشی ثابت ہو گئے، تب آپ پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہ جائے گی اور ہم آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ظفران خان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے،

کیونکہ اگر اس کا تعلق اس جرم سے نہیں تھا، تب تو اس کے چہرے پر گھبراہٹ طاری نہیں ہونی چاہیے تھی اور انہوں نے دیکھا... اس کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کہا:

"ٹھیک ہے... آپ یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔"

اب وہ پانچ آدمی اپنی مرضی کے لے کر وہاں گئے اور ان پانچوں نے اپنے گھروں کی اور گھر کے افراد کی نشان دہی کر دی۔

آخر وہ وہاں سے چلے آئے... فوج کے کیپٹن کافی پریشان نظر آ رہے تھے۔ وہ کہے بغیر نہ رہ سکے:

"میرا خیال ہے ہم لوگ غلط رخ سے ٹکریں مار رہے ہیں۔"

"یہ تو ہو سکتا ہے کہ یہ وہ کیمپ نہ ہو، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ آس پاس بھی نہ ہو... آج ہم اپنی ایک کوشش اور کریں گے اور صبح آپ کو بتائیں گے۔"

"اچھی بات ہے، یہ بھی سہی۔" کیپٹن نے برا سا منہ بنایا۔

یہ دیکھ کر انہوں نے کہا:

"شاید آپ اب یہ خیال کر رہے ہیں کہ اس طرف کوئی بیگار کیمپ سرے سے ہے ہی نہیں۔"

"ہاں! میرا یہی خیال ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ بس ایک رات اور انتظار کریں ... کل ہم آپ کو بتائیں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لا کر کہا گیا۔

اس رات باقی لوگوں کو خیمے میں چھوڑ کر انسپکٹر جمشید باہر نکل آئے... انہوں نے صرف محمود کو ساتھ لیا تھا...

چلتے وقت انہوں نے کہا تھا:

"تم لوگوں کو بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے... جن لوگوں نے سرائے کو آگ لگائی ہے ... یہاں انہی لوگوں کا کیمپ ہے ... اور اسی بنیاد پر مجھے یقین ہے کہ ہم ان شاء اللہ کامیاب ہوں گے، لیکن ان خیموں پر ایک بار پھر حملہ ہو سکتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں ... ہم رات بھر پہرہ دیں گے، باری باری سوئیں گے ...فوج کے جوانوں کی تو پہلے ہی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے... میں یہی چاہتا ہوں، تم غافل نہ ہو جانا۔"

یہ کہہ کر وہ چل دیے ...

رات تاریک تھی اور وہ موبائل ٹارچ سے کام لے رہے تھے ... راستہ اونچا نیچا اور کھائیوں والا تھا ... ایک غلط قدم بھی انہیں کسی گہرے گڑھے میں گرا سکتا تھا ... لیکن انہیں اپنی ڈیوٹی بہرحال دینی

تھی ... خطرات کی پروا کیے بغیر ... اور وہ آگے بڑھتے رہے ... یہ فاصلہ بھی کم نہیں تھا ... دن میں تو وہ گاڑیوں پر بیٹھ کر وہاں جاتے رہے تھے... جب کہ اب انہیں پیدل جانا تھا۔ دونوں بالکل خاموش تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ منہ سے آواز نہیں نکالیں گے ... ضرورت محسوس کی تو اشارے میں بات کریں گے... کیونکہ اگر بیگار کیمپ یہیں کہیں تھا تو اس کے کرتا دھرتا بھی پوری طرح چوکس ہو چکے تھے اور جانتے تھے کہ خطرہ ان کے سر پر منڈلا رہا ہے۔

انہیں دو گھنٹے تک چلنا پڑا ... تب کہیں جا کر وہ اس کیمپ تک پہنچ گئے... وہاں ہو کا عالم تھا ... دور دور تک کوئی نہیں تھا ... یہاں تک کہ کوئی پہرے دار بھی نہیں تھا ... اور اس کا مطلب تھا ... تمام لوگ اپنی رہائش کی جگہ جا چکے تھے ... اب انسپکٹر جمشید نے محمود کے کان میں کہا:

"مجبوری ہے محمود۔"

"جی کیسی مجبوری۔"

"رات کا باقی حصہ ہمیں جاگ کر گزارنا ہوگا...دراصل رات کی تاریکی میں ہم ان کی رہائش کی جگہ کو تلاش نہیں کر سکتے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں... میں جاگ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ باقی رات جاگتے رہے ... دن نکلنے لگا تو انہوں نے نماز ادا کی کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ پانی کہاں ہے اور کتنی دور ہے۔

نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے ایسی جگہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں جہاں وہ چھپ سکیں ... انہیں سب کی نظروں سے چھپ کر یہ دیکھنا تھا کہ مزدور کس طرف سے آتے ہیں۔ کیا اسی طرف سے آتے ہیں جس طرف انہوں نے ان لوگوں کی رہائش دکھائی تھی اور چند لوگوں کے ذریعے یہ بات ثابت کی تھی کہ وہ وہیں رہتے ہیں ... اور ایسی جگہ ہو سکتی تھی تو کافی بلندی پر ... لہٰذا دونوں جلدی جلدی اونچائی پر جانے لگے ... پھر کافی اونچائی پر انہیں ایک دراڑ بھی مل گئی ... اس دراڑ میں وہ خود کو چھپا سکتے تھے اور یہاں سے چاروں طرف دیکھ بھی سکتے تھے ... آخر سورج طلوع ہونے لگا۔ اس کے کچھ دیر بعد انہوں نے اسی سمت سے لوگوں کو آتے دیکھا ... جس طرف انہوں نے رہائش ثابت کی تھی ... گویا سب لوگ اسی طرف سے آ رہے تھے ... یہ دیکھ کر ان کے منہ لٹک گئے ... ساری رات کی محنت ضائع جاتی محسوس ہوئی ... وہ دراڑ سے نکل آئے:

"کیا خیال ہے ... ہم اب یہاں سے نکل چلیں ... کیونکہ یہ تو اسی طرف سے آ رہے ہیں، اس کا مطلب ہے ... یہ بیگار کیمپ نہیں ہے۔"

"جی ہاں! اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔"

"آؤ پھر ..."

جب انہوں نے آگے یہ نہ کہا کہ چلیں تو محمود نے حیران ہو کر پوچھا:

"کیا ہوا ابا جان! آپ نے جملہ پورا نہیں کیا۔"

"وہ ... اس طرف محمود ... اس طرف۔" ان کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

اب محمود نے اس سمت میں دیکھا ... اس وقت وہ پہاڑ کی کافی اونچائی پر تھے ... بلکہ یوں کہہ لیں کہ چوٹی پر تھے ... اس وقت تک انہوں نے جو کیمپ دیکھے تھے ... وہ پہاڑ کے اس طرف تھے ... جب کہ اس وقت وہ پہاڑ کے دوسری طرف دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے کمروں کی ایک بہت لمبی لائن تھی ... اس میں سے مزدور نکل نکل کر پتھروں کے ڈھیروں کی طرف آ رہے تھے ... اور اس وقت تک انہوں نے اس سمت میں جائزہ لیا ہی نہیں تھا ... انہیں اب

وہ قید خانہ صاف نظر آ رہا تھا ... ان پر نگرانی کرنے والے اپنے
کوڑوں کو لہرا لہرا کر اور آوازیں نکال نکال کر لہرا رہے تھے ... وہ
انہیں اس طرح ہانک رہے تھے ... جیسے وہ جانور ہوں۔

''تت ... تو یہ ہے وہ۔'' محمود کے منہ سے نکلا۔

''ہاں محمود... آخر ہم نے اسے تلاش کر ہی لیا۔''

''لیکن ابا جان! یہ ہمیں ہیلی کاپٹر سے کیوں نظر نہیں آیا۔''

''ان لوگوں نے یہاں کام بند کر دیا تھا ... ہیلی کاپٹر سے
کوٹھریوں کی یہ لائن ہمیں نظر نہیں آئی تھی ... یہ ضرور اوپر سے نظر نہیں
آتی ... شاید چٹانوں نے اس پر سائبان کی طرح سایہ کر رکھا ہے۔''

''تب تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ... لیکن آج ان لوگوں کو باہر
کیوں نکال لائے۔''

''انہوں نے خیال کر لیا ہے کہ ہم مایوس ہو گئے ہیں اور واپس
لوٹ گئے ہیں۔''

''جی ہاں ضرور یہی بات ہے، لیکن اب ہم کیا کریں ... اگر
ہم دن میں یہاں سے واپس جاتے ہیں تو دیکھ لیے جائیں گے۔''

''میں کیپٹن سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں ... اگر رابطہ
ہو جاتا ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ وہ فضا میں ہیلی کاپٹروں کو لے

آئیں ... ظاہر ہے... جونہی ہیلی کاپٹر اڑتے نظر آئیں گے ... یہ کوڑا
بردار لوگ ان سب کو کوٹھریوں میں ہانک دیں گے۔''

''واہ ... اگر یہ منظر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو گویا ساری
بات بالکل ثابت ہو جائے گی۔''

''ہم دیکھیں گے ... تم فکر نہ کرو۔''

اور پھر انہوں نے اپنی گھڑی کے ذریعے کیپٹن سے رابطہ کیا۔
انہوں نے پہلے ہی فری کوئنسی محفوظ کی ہوئی تھی۔ ان کی گھڑی میں
وائرلیس نظام موجود تھا۔ جلد ہی کیپٹن کی آواز سنائی دی:

''کیپٹن خالد محمود بات کر رہا ہوں ... اوور۔''

''انسپکٹر جمشید اوور۔''

''اوہ آپ اوہ۔'' مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

''آپ ایسا کریں کہ ...''

عین اسی لمحے ان کے سروں سے کوئی بہت وزنی چیز ٹکرائی۔ وہ
چکرا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے ... ادھر سے بار بار کیپٹن کی آواز
آ رہی تھی ... وہ کہہ رہے تھے:

''جی ... جی ... فرمائیے ... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

لیکن وہ دونوں کیا فرماتے ... وہ تو مکمل طور پر بے ہوش

ہو چکے تھے ... ان کے سروں پر پتھر مارے گئے تھے... سروں سے خون جاری ہو چکا تھا... اس کے ساتھ ہی کسی نے سرد آواز میں کہا:

"اٹھا لے چلو انہیں ... اور اس کی کلائی سے یہ گھڑی اتار کر مجھے دے دو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی سلسلہ کٹ گیا... کیپٹن ہیلو ہیلو ہی کرتے رہ گئے:

☆☆☆

اللہ کی شان

"یہ کیا ہوا؟" کیپٹن کی پریشانی میں ڈوبی آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔ وہ سب ان کے نزدیک آ گئے:

"کک ... کیا ہوا انکل۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"انسپکٹر صاحب ... مجھ سے وائرلیس سیٹ پر بات کر رہے تھے ... اچانک چیخ سنائی دی بلکہ ایک نہیں دو چیخیں سنائی دیں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی جبکہ گھڑی کے نظام کو آف نہیں کیا گیا ... اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان پر بے خبری میں حملہ ہوا ہے۔"

"یا اللہ رحم۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آپ کرنل صاحب سے بات کریں، فوری طور پر ہیلی کاپٹروں کی پرواز شروع کی جا سکتی ہے اور اس سے پیچھے سرچ لائٹس ماری جا سکتی ہیں۔" کیپٹن نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" پروفیسر فوراً بولے۔

"میں بات کرتا ہوں۔" خان رحمان نے کہا اور کرنل کے نمبر ملانے لگے ... کافی دیر کی کوشش کے بعد ان سے رابطہ ہوا:

"ہمیں بہت افسوس ہے ہم آپ کی بے آرامی کا سبب بن رہے ہیں، لیکن ہم مجبور ہیں ... صورتحال کچھ ایسی پیش آگئی ہے۔"

"کوئی بات نہیں ... آپ بتائیں کیا بات ہے۔"

انہوں نے ساری صورتِ حال واضح کر دی ... اس بعد کرنل نے کہا:

"پانچ ہیلی کاپٹر چند منٹ بعد یہاں سے روانہ کر رہا ہوں ... آپ انہیں اشارہ دیں گے ... وہ نیچے اتر آئیں گے ... آپ لوگ ان پر سوار ہو جائیے گا اور جس سمت میں انسپکٹر جمشید اور محمود کے جانے کا امکان ہے ... وہاں گردش شروع کر دیجیے۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"شکریہ کیسا ... انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ... اور آپ لوگ ہماری قوم کے سرمایہ ہیں، ہر وقت جان ہتھیلی پر لیے ہوتے ہیں تو کیا ہم ان کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے ... بلکہ ان کیلئے کیوں ... اپنے ملک کی خاطر کہنا چاہیے، بس میں بھیج رہا ہوں ... انتظار فرمائیں۔"

"جی اچھا۔"

پندرہ منٹ بعد پانچ ہیلی کاپٹروں کی آواز فضا میں سنائی دینے لگی۔ انہوں نے زور زور سے ہاتھ ہلائے ... آخر ہیلی کاپٹر کے پائلٹوں نے انہیں دیکھ لیا اور وہ نیچے اترتے نظر آئے ... پھر جونہی وہ زمین پر لگے ... وہ ان میں سے ایک پر سوار ہو گئے ... اور پھر پانچوں ہیلی کاپٹر فضا میں پرواز کرنے لگے۔ خان رحمان کو سمت کا اندازہ تھا، لہٰذا وہ سیدھے وہاں پہنچ گئے اور گردش کرنے لگے ... ہیلی کاپٹر بار بار چکر لگاتے رہے ... وہ اوپر سے دوربین کے ذریعے دیکھتے رہے:

"اس وقت دن کا اجالا پوری طرح پھیل چکا ہے ... اور دوربین سے ہمیں بالکل صاف نظر آ رہا ہے ... ہمارے نیچے اس وقت وہ کیمپ ہے ... جس کی رہائش گاہ کا تجربہ ہم کر چکے ہیں ... اور ظاہر ہے ... ابا جان اور محمود اسی جگہ آئے ہوں گے ... انہیں دراصل یہ دیکھنا تھا کہ ... مزدور کس طرف سے آئے ہیں ... ارے ... یہ ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" مارے حیرت کے فاروق کی آواز نکلی۔

"کیا دیکھ رہے ہو ... خدا کے لیے ہمیں بھی دکھا دیں۔"

"وہ دیکھو ... پہاڑ کی چوٹی ... جو کیمپ ہم نے دیکھا تھا، وہ پہاڑ کی اس طرف ہے ... ایک پہاڑ کے اس طرف بھی ہے ... لیکن ... یہاں کوئی مسلح پہرہ نہیں ہے ... اور ہمیں تلاش ہے، مسلح پہرے

والے کیمپ کی۔"

"احمق ہو تم۔" فرزانہ بولی۔

"تم نے مجھے احمق کہا۔"

"ہاں تو اور کسے کہوں گی۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تب پھر ساتھ میں یہ بھی بتا دو کہ کیوں کہا... ورنہ ہیلی کاپٹر میں جنگ شروع ہو جائے گی۔"

"ارے باپ رے۔" پروفیسر داؤد نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"کیا ہوا..."

"ہیلی کاپٹر میں جنگ۔" وہ بولے۔

"میں یہ کہنے چلی تھی کہ جب سروں پر ہیلی کاپٹر اڑ رہے ہوں تو بھلا یہ لوگ مسلح پہرے داروں کو کیسے کھڑے کر سکتے ہیں... وہ لوگ ایسی جگہوں پر چھپ کر کھڑے ہوں گے کہ اوپر سے دیکھا نہ جائے... انہیں بھی معلوم ہے، بیگار کیمپ کی تلاش میں یہاں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں... ایسے لوگ جن کے پاس ہیلی کاپٹر بھی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک... اور میرا خیال ہے، ابا جان اور محمود منہ اندھیرے یہاں کہیں موجود تھے... انہوں نے ان لوگوں کو آتے دیکھا... ان کی رہائش کو بھی دیکھا... لیکن عین اسی وقت انہیں دیکھ لیا گیا

... اور ان پر وار کر دیا گیا ورنہ وہ تو گھڑی پر بات کر رہے تھے... بات کرتے کرتے اچانک کیوں رک گئے... لہٰذا میرا دل پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ وہ یہیں کہیں ہیں اور وہ بیگار کیمپ بھی یہیں ہے... کیونکہ ابھی تک ہم نے اس طرف نہیں دیکھا اور ابا جان کو اسی طرف آنا تھا۔"

"فرزانہ کی باتیں دل کو لگتی ہیں... ضرور وہ کیمپ یہی ہے... ہمیں نیچے اتر جانا چاہیے۔" فاروق نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ایسے نہیں... پہلے ساری فوج کو یہاں بلانا ہوگا۔" کیپٹن بولے۔

"بالکل ٹھیک۔"

اب کیپٹن نے اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیں... انہیں سمت بتائی... اور پھر ان کا انتظار ہونے لگا... اس دوران وہ بدستور اوپر گردش کر رہے تھے... انہوں نے خاص طور پر یہ بات محسوس کی کہ کیمپ کے مزدور اوپر دیکھتے ہوئے بھی ڈر رہے ہیں... لیکن وہ اوپر دیکھنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں... اور کسی نہ کسی طرح اوپر دیکھ ہی لیتے ہیں اور جب اوپر دیکھتے ہیں تو کم از کم انگلیوں کا اشارہ ضرور کرتے ہیں۔ وہ اشارہ دینا چاہتے ہیں کہ جس کیمپ کی آپ لوگوں کو

تلاش ہے، وہ یہی ہے۔

ان کے دل اب تیز تیز دھڑک رہے تھے... وہ سوچ رہے تھے... کیا واقعی وہ یہی کیمپ ہے... انہیں یقین نہیں آ رہا تھا... عجیب بے قراری کے لمحات تھے وہ... پھر آخر فوج کی طرف سے پیغام ملا:

''کیمپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔''

''بہت خوب! ہم نیچے اتر رہے ہیں۔''

''اوکے سر... ہم نے چاروں طرف پوزیشن لے رکھی ہے۔''

''بس ٹھیک ہے... پوری طرح چوکس رہو... ہمارے دو ساتھی ان لوگوں کے قبضے میں ہیں... ان کی حفاظت کا بھی مسئلہ ہے۔''

''اوکے سر۔''

اور پھر ہیلی کاپٹر نیچے اترنے لگے... انہوں نے مزدوروں کے چہروں پر خوشیوں کی بجلیاں چمکتے دیکھیں... یہ بات محسوس کرتے ہی انہیں یقین ہو گیا... کہ کیمپ یہی ہے جس کی تلاش میں وہ بھٹک رہے ہیں... پھر ہیلی کاپٹر زمین پر ٹک گئے... فوراً ہی ایک اونچے قد کا آدمی ان کی طرف آیا:

''خیر تو ہے صاحب... یہ ہمارے کیمپ کو کس لیے گھیرے میں

لیا گیا ہے۔''

''تو یہ آپ کا کیمپ ہے۔''

''جی... جی ہاں صاحب۔''

''ہم نے آپ کے کیمپ کو ہی گھیرے میں نہیں لیا... اور کیمپوں کو بھی لیا ہے، ان کی بھی تلاشیاں لی ہیں... دراصل ان اطراف میں ایک عدد بیگار کیمپ ہے... ہمیں بس اس کی تلاش ہے۔''

''تب تو پھر آپ کو مایوسی ہو گی... یہ وہ کیمپ نہیں ہے، آپ ان مزدوروں کو دیکھ لیں... ان کے چہروں پر کیا نظر آ رہا ہے... کیا یہ قیدی لوگ لگتے ہیں۔''

''ہاں واقعی... پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے تھا... ویسے آپ کا نام کیا ہے۔''

''شہباز خان۔''

''خوب! تو شہباز خان صاحب... ہم ان لوگوں کو بھی دیکھیں گے... ان سے باتیں بھی کریں گے... آپ ذرا یہاں سے ایک طرف ہو جائیں۔''

''وہ کیوں۔'' اس نے منہ بنایا۔

''وہ اس لیے کہ اگر یہ لوگ اغوا شدہ ہیں تو آپ کی موجودگی

میں تو یہ بات بتائیں گے نہیں، اور اگر یہ لوگ صرف مزدور ہیں ... اغوا کر کے نہیں لائے گئے تو آپ کو کچھ دور کیا ... بہت دور جانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"بات آپ کی بجا ہے جناب ... لیکن یہ لوگ بہت سیدھے سادے ہیں ... کوئی غلط بات انہوں نے لوگوں منہ سے نکال دی تو بس آپ نہ جانے کیا خیال کر بیٹھیں گے۔"

"آپ کو کچھ فاصلے پر تو جانا ہوگا۔"

"مہربانی کریں اور میرے سامنے ہی پوچھ لیں جو پوچھنا ہے۔"

"اچھا پہلے آپ بتائیں ... ان کی رہائش کس طرف ہے۔"

"دائیں طرف کچھ دور جانا پڑے گا۔"

"خوب! چلیے پھر پہلے ان کی رہائش دیکھ لیں۔"

"رہائش دیکھ کر آپ کیا کریں گے ... چھوٹے سے گھر ہیں۔"

"کیپٹن صاحب۔" خان رحمان نے کہا۔

"جی جناب۔"

"آپ انہیں کچھ فاصلے پر لے جائیں۔"

کیپٹن نے چار فوجیوں کو اشارہ کیا ... وہ آگے بڑھے اور اسے گرفت میں لے کر جانے لگے:

"یہ ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں ... آپ کو اس سلوک کی سزا ملے گی ... یہ علاقہ کسی عام آدمی کا نہیں ہے۔"

"بہت خوب! تو یہ کیمپ خاص آدمی کا ہے۔"

"ہاں!"

"آپ نام بتا دیں ... ہم ان سے فون پر بات کر لیں۔"

"یہاں فون کام نہیں کرتے۔"

"ہم کسی طرح رابطہ کر لیں گے ... یہاں سے جا کر ایسی جگہ سے فون کر لیں گے جہاں سگنل آ رہے ہوں گے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا ... میں آپ کو ان کا نام بتا دیتا ہوں ... آپ سگنل ملنے والے مقام پر جا کر ان سے بات کر لیں ... وہ آپ کا اطمینان کرا دیں گے، اس صورت میں آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔"

"ہاں ٹھیک ... ان کا نام ہے نواز جھگڑ۔"

"کیا!!!"

وہ بہت زور سے اچھلے:

"ہاں! نواز جھگڑ بہت مشہور و معروف سیاسی رہنما ہیں۔"

"اوہ ... اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

کیپٹن نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے اسے اٹھا کر ایک ہیلی کاپٹر میں ڈال لیا... جونہی فوجیوں نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ بند کیا... کیمپ میں موجود آس پاس کے لوگوں کے چہروں پر خوشیاں ہی خوشیاں پھیل گئیں... پھر یہ خوشیاں ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہوئی ہر طرف پھیل گئیں:

"تو تم سب کو اغوا کر کے لایا گیا ہے۔" خان رحمان کی بلند آواز میں ان سے پوچھا۔

"جی ہاں..." وہ سب چلائے۔ان کی آواز سے آس پاس کی پہاڑیاں گونج اٹھیں:

"کیا کوئی جانتا ہے کہ صبح جن قیدیوں کو لایا گیا تھا وہ ہمارے ساتھی کہاں ہیں..."

عین اس وقت فائرنگ کی آواز گونج اٹھی...

☆

ان کے آس پاس کی ریت سے بے تحاشہ گولیاں ٹکرائیں... ساتھ ہی ایک فوجی کی چیخ سنائی دی... گولی ان دو میں سے ایک فوجی جوان کو لگی تھی جو شہباز خان والے ہیلی کاپٹر کی نگرانی کر رہے تھے... وہ بڑی طرح اچھلے، ساتھ ہی خان رحمان نے بلند آواز میں کہا:

"لیٹ جاؤ... نیچے لیٹ جاؤ... چٹانوں کی اور پتھروں کی اوٹ لے لو۔ کیپٹن صاحب آپ اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیں... وہ فائرنگ کرنے والوں پر جوابی فائرنگ کریں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

اور پھر وہاں دو طرفہ فائرنگ ہونے لگی... انہوں نے بھی جلدی جلدی مورچے سنبھال لیے۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کون کہاں سے فائرنگ کر رہا ہے۔ بس فائرنگ ہو رہی تھی اور گویا اندھا دھند ہو رہی تھی... لیکن پھر جلد ہی بات واضح ہو گئی... کچھ لوگ چٹانوں کی اوٹ سے فائرنگ کر رہے تھے...وہ اس کیمپ کے کرتا دھرتا تھے... جب کہ ان کی فوج دوسری طرف ان کی طرف فائرنگ کر رہی تھی۔

فائرنگ کی اس آواز کے تھوڑی دیر بعد ہی بہت سے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔انہیں یوں لگا جیسے انہیں ہر طرف سے گھیرا جا رہا ہے... یہاں تک کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دشمن نظر آیا۔ اس وقت ان کی طرف سے اعلان کیا گیا:

"تم لوگ اپنے ہتھیار پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو... ورنہ تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا... ان جگہوں سے تم لوگ واقف نہیں ہو، جب کہ ہم چپے چپے سے واقف ہیں، لہٰذا تم مارے

کیپٹن نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے اسے اٹھا کر ایک ہیلی کاپٹر میں ڈال لیا... جونہی فوجیوں نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ بند کیا... کیمپ میں موجود آس پاس کے لوگوں کے چہروں پر خوشیاں ہی خوشیاں پھیل گئیں... پھر یہ خوشیاں ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہوئی ہر طرف پھیل گئیں:

'' تو تم سب کو اغوا کر کے لایا گیا ہے۔'' خان رحمان کی بلند آواز میں ان سے پوچھا۔

'' جی ہاں ...'' وہ سب چلائے۔ان کی آواز سے آس پاس کی پہاڑیاں گونج اٹھیں:

'' کیا کوئی جانتا ہے کہ صبح جن قیدیوں کو لایا گیا تھا وہ ہمارے ساتھی کہاں ہیں ...''

عین اس وقت فائرنگ کی آواز گونج اٹھی ...

☆

ان کے آس پاس کی ریت سے بے تحاشہ گولیاں ٹکرائیں ... ساتھ ہی ایک فوجی کی چیخ سنائی دی ... گولی ان دو میں سے ایک فوجی جوان کو لگی تھی جو شہباز خان والے ہیلی کاپٹر کی نگرانی کر رہے تھے ... وہ بڑی طرح اچھلے، ساتھ ہی خان رحمان نے بلند آواز میں کہا:

'' لیٹ جاؤ ... نیچے لیٹ جاؤ ... چٹانوں کی اور پتھروں کی اوٹ لے لو۔ کیپٹن صاحب آپ اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیں ... وہ فائرنگ کرنے والوں پر جوابی فائرنگ کریں۔''

'' آپ فکر نہ کریں۔''

اور پھر وہاں دو طرفہ فائرنگ ہونے لگی ... انہوں نے بھی جلدی جلدی مورچے سنبھال لیے۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کون کہاں سے فائرنگ کر رہا ہے۔ بس فائرنگ ہو رہی تھی اور گویا اندھا دھند ہو رہی تھی ... لیکن پھر جلد ہی بات واضح ہو گئی ... کچھ لوگ چٹانوں کی اوٹ سے فائرنگ کر رہے تھے ... وہ اس کیمپ کے کرتا دھرتا تھے ... جب کہ ان کی فوج دوسری طرف ان کی طرف فائرنگ کر رہی تھی۔

فائرنگ کی اس آواز کے تھوڑی دیر بعد ہی بہت سے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔انہیں یوں لگا جیسے انہیں ہر طرف سے گھیرا جا رہا ہے ... یہاں تک کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دشمن نظر آیا۔ اس وقت ان کی طرف سے اعلان کیا گیا:

'' تم لوگ اپنے ہتھیار پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو ... ورنہ تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا ... ان جگہوں سے تم لوگ واقف نہیں ہو، جب کہ ہم چپے چپے سے واقف ہیں، لہذا تم مارے

جاؤ گے اور تم پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔''

''ہتھیار ڈالنے کی صورت میں کون سا تم ہمیں زندہ چھوڑ دو گے ... لہٰذا پھر مقابلہ کر کے کیوں نہ مارے جائیں۔''

''اس طرح بہت خون خرابہ ہوگا۔''

''اب جو بھی ہوگا ... وہ تو ہوگا ... ہم ہتھیار گراتے ہیں تو ہم بھی نہیں بچتے ...'' اس لمبے آدمی کی آواز آئی۔

''بہت جلد یہاں اور فوج آجائے گی ... اوپر ہیلی کاپٹر گردش کریں گے ... تب تم کیا کرو گے۔''

''ہم مقابلہ کریں گے مقابلہ ... اور کچھ نہیں کریں گے ... ہماری جنگ اور ہمارا مقصد بہت بلند ہے ...۔''

''کیا مطلب ... لوگوں سے بیگار کروانے میں کون سا بلند مقصد ... بلند مقصد تو وہ ہوتا ہے جو نیک بھی ہو ...''

''یہ تم لوگ نہیں سمجھو گے ... تم لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ ہو ... ہم یہ جنگ پوری دنیا میں لڑ رہے ہیں ... اور تم دیکھنا ... ایک دن ہم پوری دنیا پر نیکی اور سچائی کا جھنڈا لہرائیں گے ...''

''اچھی بات ہے تو پھر مقابلہ ہی سہی ... اللہ مالک ہے۔''

خان رحمان گرجے۔ ساتھ ہی انہوں نے کیپٹن کو اشارہ کیا... اور پھر

فائرنگ شروع ہوگئی ... اس وقت تک کیمپ میں پتھر توڑنے والے مزدور رینگتے ہوئے ایک طرف کو ہٹتے نظر آئے ... گویا وہ محفوظ جگہ جانے کی کوشش کر رہے تھے ... فرزانہ نے ان کے جانے کی سمت دیکھی تو فاروق اور پروفیسر داؤد کو اشارہ کر دیا ... اب یہ لوگ بھی اسی طرف بڑھنے لگے ... جلد ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ سارے مزدور اسی طرف سرک رہے تھے ... ان کے تعاقب میں وہ اس جگہ تک پہنچ گئے... یہاں ان کی رہائش تھی ... اور یہی وہ رہائش تھی ... جس کی تلاش میں اب تک وہ بھٹکتے رہے تھے... یہ جیل کی کوٹھریوں جیسی جگہ تھی ... تمام مزدور ان کمروں میں داخل ہو گئے ... ایسے میں ان میں سے ایک باہر نکل کر چیخا:

''اس کمرے میں دو قیدی بندھے پڑے ہیں۔''

وہ اس طرف دوڑ پڑے ...

اور پھر انہوں نے دیکھا کہ وہ دونوں قیدی انسپکٹر جمشید اور محمود کے سوا اور کوئی نہیں تھے ... انسپکٹر جمشید اور محمود زخمی حالت میں وہاں رسیوں سے بندھے پڑے تھے ... انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا ... دونوں ہوش میں تھے ... انہیں کھولا گیا اور پھر سروں پر پٹیاں باندھی گئیں:

"باہر کی کیا رپورٹ ہے۔"

"فائرنگ ہو رہی ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ... کیا سمجھ گئے آپ۔"

"فائرنگ کے سائے میں یہ لوگ فرار ہو رہے ہیں ... لیکن خیر ... انہیں فرار ہونے دیں ... دیکھا جائے گا۔"

ان کا اندازہ درست ثابت ہوا ... آہستہ آہستہ فائرنگ کم ہوتی گئی اور پھر بالکل رک گئی ... یعنی یک طرفہ فائرنگ رک گئی ... کیپٹن نے فوراً محسوس کر لیا کہ مخالف سمت سے فائرنگ رک گئی ہے۔ انہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کو فائرنگ روکنے کا اشارہ دیا۔

انسپکٹر جمشید کی ہدایت پر تمام مزدوروں کو ایک جگہ جمع کیا گیا ... وہ بار بار یہی کہہ رہے تھے:

"یا اللہ تیرا شکر ہے ... یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

☆

ان لوگوں کو بیل گاڑیوں میں بٹھا بٹھا کر اسفند چوک تک لایا گیا ... اس وقت تک مزید فوج بلائی جا چکی تھی ... فوج نے چاروں طرف سے ان کیمپوں کو گھیر لیا تھا، کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ ان کے

علم میں بات نہ ہو کہ پہاڑ کے دوسری طرف بیگار کیمپ ہے ... ظاہر ہے، ان سب کو یہ بات معلوم تھی ... لہٰذا ظفران خان اور بازان کو بھی گرفتار کر لیا گیا ... اس کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کیا گیا۔

اسفند چوک سے انسپکٹر جمشید نے صدر صاحب کو فون کیا اور ان سے کہا:

"نواز جگڑ کو گرفتار کرالیں سر۔"

"اوہ ... تو کیا بیگار کیمپ کا مالک نواز جگڑ ہے۔"

"بالکل سر ... یہ بات ثابت ہو چکی ہے ... ہم واپس آکر تمام حالات سنائیں گے ... ان لوگوں کو پیش کریں گے جنہوں نے نواز جگڑ کا نام لیا ہے۔"

"بہت خوب جمشید ... یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

"یہ سب اللہ کی مہربانی ہے سر۔"

"بالکل۔"

وہاں انہیں کئی دن لگ گئے ... محمود، فاروق، فرزانہ تو دوسرے ہی روز واپس آگئے کہ ان کے اسکول کا حرج ہو رہا تھا ...

دوسرے کیمپوں میں کام کرنے والے یعنی جن لوگوں کو مزدوری دی جاتی تھی وہ بالکل بے قصور ثابت ہوئے۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا

که پہاڑ کے اس طرف کیا ہوتا ہے ... ان سب کو نام پتے لکھ کر اور
تصدیق کر کے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ رہ گئے اغوا شدہ لوگ
... ان کا معاملہ بہت ٹیڑھا تھا... جن لوگوں کو بچپن میں اٹھایا گیا تھا
...وہ بے چارے تو اپنے گھر والوں کے بارے میں کچھ بتانے کے
قابل نہیں تھے ... جنہیں بڑی عمر میں اغوا کیا گیا تھا ... وہ سب کچھ
بتانے کے قابل تھے ... لیکن پھر جب شہباز خان پر سختی کی گئی تو اس
نے چند ایک کے گھروں کے پتے بتا دیے۔ تلاشی لینے پر وہاں سے
انہیں ایک پرانا رجسٹر مل گیا ... اس میں اغوا کیے جانے والوں کی
تفصیلات درج تھیں ... یہ لوگ دراصل صرف پتھر ہی نہیں تڑواتے تھے
... مال دار لوگوں کے پیاروں سے بڑی بڑی رقمیں لے کر انہیں واپس
بھی کرتے تھے... مطلب یہ کہ دو طرفہ کام جاری تھا... اس لیے اس
رجسٹر نے مسئلہ حل کر دیا ... سب لوگوں کو ان کے گھروں تک پہنچانا
آسان ہوگیا ۔ گڈو تو دارالحکومت کا ہی ثابت ہوگیا ... اب ان لوگوں
نے دارالحکومت کا رخ کیا ... وہاں کے اغواکنندگان کو انہوں نے
ساتھ لے لیا تھا ... باقی شہروں کے لوگوں کو ان کے گھروں تک
پہنچانے کی ڈیوٹی بہت ہی مخلص فلاحی تنظیم کے ذمے لگائی گئی ۔

☆☆☆

کیس کی قلابازی

اسی روز انہوں نے گڈو کو اپنے گھر بلوا لیا ... اس دوران
انہوں نے اسے ایک دوست کے ہاں ٹھہرا رکھا تھا ... وہ گڈو سے
بہت گرم جوشی سے ملے۔ انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا:

"گڈو ... تمہیں مبارک ہو۔"

"جی ... کیسی مبارک ہو۔"

"تمہارے گھر کا پتا مل گیا ... بلکہ تمام قیدیوں کو رہائی مل گئی
ہے۔ انہیں ان کے گھروں تک پہنچایا جا رہا ہے، تم بھی اپنے
ساتھیوں سے ملنا چاہو تو ان سے تمہاری ملاقات کرائی جا سکتی ہے ...
لیکن ظاہر ہے تم پہلے اپنے گھر جانا چاہو گے۔"

"جی نہیں ... پہلے میں اپنے ساتھیوں سے ملوں گا ... دکھ اور
درد کا وقت تو میں نے ان کے ساتھ گزارا ہے ... " یہ کہتے ہوئے
اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ...

انسپکٹر جمشید نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے کہا:

"سرکاری ریسٹ ہاؤس میں جتنے لوگوں کو ٹھہرایا گیا ہے... ان سب سے گڈو کی ملاقات کرا دی جائے۔"

"جی ٹھیک ہے۔"

وہ ریسٹ ہاؤس پہنچے... سب لوگوں کو میدان میں لایا گیا... پھر گڈو ان کے سامنے نمودار ہوا... وہ ان سب کو دیکھ کر چلا اٹھے:

"گڈو۔"

"میرے بھائیو۔"

وہ ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔ اس وقت انسپکٹر جمشید نے ان سب سے مخاطب ہو کر کہا:

"آپ لوگوں کی رہائی اللہ تعالیٰ نے گڈو کے ذریعے کرائی ہے... ان کا کیمپ سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جانا اور ہم تک پہنچ جانا... اس ساری صورتحال کا سبب یہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں... بہرحال تم سب کو آزادی مبارک ہو۔ ایک دو روز تک تم سب کو تمہارے گھروں تک پہنچا دیا جائے گا... گڈو... تم ان کے ساتھ کچھ وقت گزار لو... ہم ذرا اس کیس کے مجرم سے ایک ملاقات کر آئیں۔"

"کیا ہم اسے نہیں دیکھ سکتے۔"

"اوہ ہاں! یہ خوب نظارہ رہے گا... جن لوگوں کو اس شخص نے اس طرح قید میں رکھا، آج وہ خود قید میں ہے اور قید میں رہنے والے آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں... اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں... ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔"

پھر وہ ان سب کو اس حوالات میں لائے جہاں نواز جگڑ کو رکھا گیا تھا... اب وہ سلاخوں کے پیچھے تھا، ان سب کو سلاخوں کے سامنے کھڑا کیا گیا... انسپکٹر جمشید نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"نواز جگڑ... تم ذرا اپنا انجام دیکھ لو... اور ان لوگوں کو دیکھ لو... جنہیں تم نے اغوا کروا کروا کر بیگار کیمپ میں رکھا ہوا تھا... تم ان لوگوں کو دیکھ لو...۔"

یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کیلئے مسکرائے، پھر بولے:

"یہ الفاظ میں آپ سے کہتا نواز جگڑ صاحب... اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ آپ ہی اصل مجرم ہیں..."

انسپکٹر جمشید کی بات سن کر وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔ سب سے زیادہ حیرانی محمود، فاروق، فرزانہ کو اس بات پر تھی کہ نواز جگڑ بھی مسکرا رہا تھا۔ ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

چند لمحے اسی عالم میں گزر گئے ... پھر محمود کے منہ سے کھوئے کھوئے لہجے میں نکلا:

"کیا مطلب ... ہم کچھ سمجھے نہیں ابا جان۔"

"تمہیں یاد ہے ... گڈو نے ایک دفعہ کسی سرخی مائل شخص کا ذکر کیا تھا ..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں ہاں ... یاد ہے ... ارے اس کو تو ہم بھول ہی گئے تھے۔" فرزانہ چونکی۔

"یہ کیا بات ہوئی ... یاد ہے ... بھول گئے تھے ..." فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"میرا مطلب ... یہ یاد ہے کہ گڈو نے اس کا ذکر کیا تھا کہ وہ ہفتے میں ایک بار بیگار کیمپ میں آتا تھا ... لیکن بیگار کیمپ سے آنے کے بعد اور وہاں پیش آئے واقعات کے دوران ہم اسے بھول ہی بیٹھے۔" فرزانہ نے یہ کہتے ہوئے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"تت تو ... کیا ... کون ہے وہ سرخی مائل شخص ..."

"اصل مجرم ... یہ سارا بکھیڑا اسی نے پھیلا رکھا ہے ... ایک عجیب و غریب مجرم جو ایک جرم کی آڑ میں دوسرا اس سے بھی کئی گنا بڑا اور بھیانک جرم کر رہا تھا۔"

"اوہ ... اوہ!"

"ابا جان! ہم کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہے ... آپ نے ابھی تک ہم سے بھی تذکرہ نہیں کیا ... ہم تو اس کیس میں ٹامک ٹوئیاں ہی مارتے رہ گئے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"دراصل میں پہلے اس امکان پر غور کر رہا تھا کہ کہیں نواز جھگڑ ہی تو وہ شخص نہیں جو اپنا حلیہ بدل کر اور سرخ بالوں والی وگ لگا کر بیگار کیمپ پر جاتا رہا ہو ... لیکن پھر میں نے چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ نواز جھگڑ صاحب تو آج تک بیگار کیمپ والے علاقے یعنی اسفند چوک کے اطراف کے علاقے میں تو گئے ہی نہیں ..."

"تو پھر شہباز خان نے ان کا نام کیوں لیا تھا۔"

"دراصل جب گڈو ان کے چنگل سے نکل بھاگا تو ان کو اندازہ ہوا کہ اب شاید قانون ان تک پہنچنے کی کوشش کرے ... یہ جانتے تھے کہ برسوں پہلے جب اسے اغوا کیا گیا تھا تو اخبارات نے گڈو کے والد کے سیاسی مخالف نواز جھگڑ پر اغوا کا شبہ ظاہر کیا تھا ... اب یہ بھی عجیب اتفاق رہا کہ 35 سال پہلے اغوا ہوئے گڈو کے والد کا جھکاؤ بھی نواز جھگڑ کے مخالف سیاسی کیمپ سے تھا اور دو سال پہلے اغوا ہونے والے تاجی کے والد کا بھی۔ لہٰذا شبہ لامحالہ نواز جھگڑ پر گیا۔

اور اس شبے کا سرخی مائل شخص نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور شہباز خان سے کہہ دیا کہ اگر پولیس پوچھے تو کہہ دینا کہ یہ کیمپ نواز جکڑ کا ہے لہٰذا جب ہم نے شہباز خان سے پوچھا کہ اس کیمپ کا مالک کون ہے تو اس نے پہلے سے سوچا سمجھا جواب ہمیں دے دیا ... یعنی نواز جکڑ کا نام لے دیا۔''

''اوہ! یہ بیچارے تو بری طرح پھنستے ... کوئی بھی ان کی صفائی تسلیم نہ کرتا۔ شہباز خان وعدہ معاف گواہ بن کر چھوٹ جاتا ... رہ گئے دوسرے تو بھلا کسے ہوتی کیوں ہوتی ان کی پرواہ!''

''لیکن سوال یہ ہے کہ وہ سرخی مائل شخص ہے کون۔''

''اسے بھی گرفتار کر لیا گیا ہے ... وہ بھی یہیں ہے ... مجھے یقین ہے کہ تم اس سے ضرور ملنا چاہو گے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے۔

پھر وہ سلاخوں والے ایک اور کمرے کے سامنے پہنچے ... اندر ایک شخص ان کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا تھا ... ان کے قدموں کی آواز سن کر مڑا ... اسے دیکھ کر ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے ...

ان کے سامنے راجہ گاؤں کے ہوٹل کا مالک شریف خان موجود تھا۔

''لل ... لیکن یہ تو سرخی مائل نہیں ... ہم تو اس سے پہلے بھی مل چکے ہیں۔''

''ہاں یہ واقعی سرخی مائل نہیں، صرف سرخ وگ استعمال کرتا رہا ہے اور وہ بھی صرف بیگار کیمپ جانے کیلئے ... اور شاید دھوپ میں وگ کی سرخی چہرے کی سرخی معلوم ہوتی ہوگی ہے۔ اسی لئے وہ صرف سرخی پر توجہ دے سکا سرخی کی وجہ پر نہیں۔''

''کیا گڈو نے گرفتاری کے بعد اسے دیکھا ...''

''ہاں لیکن پہلی نظر میں پہچان نہیں پایا تھا ... جب سرخ وگ اس کے سر پر رکھی گئی تو فوراً بول اٹھا کہ:

''یہی ہے وہ سرخی مائل شخص ...''

''اور وہ کیا تھا کہ یہ چار پانچ مخصوص لوگوں کی ٹھوڑیوں کو ہاتھ لگا کر حال پوچھتا تھا۔''

''ابھی اس کا واضح جواب نہیں مل سکا، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اس کیمپ میں برسوں گزر گئے تھے یعنی انہیں بچپن میں اغوا کر کے لایا گیا تھا ... جیسا کہ گڈو ...''

''آپ اس تک پہنچے کیسے ...''

''شک کی بنیاد پر ... مجھے شک تھا کہ کوئی تو ہے جس کے

ذریعے ہمارے بیگار کیمپ کی تلاش کی اطلاع مجرموں تک پہلے ہی پہنچ گئی تھی ...غور کیا تو سارے آثار اسی کی طرف اشارہ کرنے لگے ...چھان بین کی تو سامنے آیا کہ دراصل آس پاس کے علاقے میں اس کا طوطی بولتا ہے، وہاں یہ کسی اور کو ہوٹل بھی نہیں کھولنے دیتا...اب جب کوئی شاہراہ اسقد پر پہنچتا ہے تو اسے مجبوراً اسی کے ہوٹل میں ٹھہرنا پڑتا ہے...اس کے ہوٹل کے ہر کمرے میں خفیہ ٹرانسمیٹر نصب ہیں جن کے ذریعے وہ کمروں میں ہونے والی تمام گفتگو سنتا تھا...ہمیں بھی اس نے خوب الو بنایا... ہمارے سارے پلان سے باخبر رہا۔''

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے ... باقی سب بھی چپ تھے ...

شاید وہ سوچ رہے تھے کہ مجرم کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن پکڑا جاتا ہے۔

''آپ نے کہا تھا کہ یہ ایک عجیب و غریب مجرم ہے جو ایک جرم کی آڑ میں دوسرا اس سے بھی بڑا اور بھیانک جرم کر رہا تھا۔''

''ہاں میں نے کہا تھا... دراصل یہ ملک دشمن قوتوں کیلئے کام کرتا ہے... خاص طور پر وہ گروہ جن کے گرد ہماری بہادر فوج نے گھیرا تنگ کیا ہوا ہے ... ان بیگار کیمپوں میں بظاہر پتھر توڑنے کا کام

ہوتا ہے لیکن اصل میں گزشتہ تیرہ برسوں سے یہاں اسلحہ ذخیرہ کرنے کیلئے خفیہ زیر زمین اڈا تعمیر کیا جا رہا ہے ... بچوں اور نوجوانوں کو اغوا کر کے یہاں کھدائی کا کام لیا جاتا ہے اور ان میں سے زیادہ تیز ذہن کے بچوں کو چن کر ان کو نہ صرف جنگی تربیت دی جاتی ہے بلکہ خودکش حملہ آور بنانے کیلئے برین واشنگ بھی کی جاتی ہے، وہاں سے بڑی مقدار میں فوج اور ملک کے خلاف لڑائی پر اکسانے والا لٹریچر بھی برآمد ہوا ہے۔''

''ایک اکیلا شخص یعنی یہ شریف خان اتنا بڑا کام کیسے کر سکتا ہے ... یقیناً اس کی پشت پر اور لوگ بھی ہوں گے۔''

''ایسا ہی ہے ... ایسے نہ جانے کتنے اڈے یہاں کام کر رہے ہوں گے ... البتہ دارالحکومت کے نزدیک اب ایسا کوئی اور اڈا نہیں ہے ... اس بیگار کیمپ کے پکڑے جانے سے دشمن کی سازشوں کو کاری ضرب لگی ہے ... لیکن ایک بات واضح ہے کہ ان کی مدد شارجستان بھی کر رہا ہے ... جبکہ لوگوں کے سامنے یہ لوگ، خود کو شارجستان کا دشمن نمبر ایک ظاہر کرتے ہیں ... اور اٹھتے بیٹھتے اسے برا بھلا کہتے ہیں ...''

حوالات سے واپسی پر فرزانہ نے پوچھا:

''مجرموں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف کارروائی کرنے والی

پولیس مہم کا کیا بنا...؟''

''پکڑے گئے ہیں سب ... اب معطل ہوں گے پھر نوکری سے برخاست کر دیا جائے گا...''

اس کے بعد راستے بھر کوئی کچھ نہ بولا۔

☆☆☆

واپسی

اب ان کے ذمے ایک کام رہ گیا تھا ...اور وہ تھا گڈو کو اس کے گھر پہنچانا ...

کیمپ سے ملنے والے رجسٹر کے مطابق گڈو سیٹھ اختر نواز کا بیٹا تھا اور اختر نواز شہر کے بہت بڑے کاروباری سیٹھ تھے ... ایک سیاسی جماعت سے بھی ان کا تعلق تھا... ان کی وجہ سے اس سیاسی جماعت کی بہت طاقت تھی۔ بیٹے کی گمشدگی کے دو سال بعد ہی ماں باپ دونوں اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور چل بسے ... اب شہر میں گڈو کا صرف بڑا بھائی رہتا تھا... سیٹھ امداد اختر ... اور اس وقت وہ اسی کے گھر جا رہے تھے ، اس وقت گڈو کے دل کی حالت عجیب تھی ... وہ بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

انہوں نے اس سلسلے میں ابھی سیٹھ امداد اختر سے بات نہیں کی تھی... وہ چاہتے تھے ... دونوں بھائی آمنے سامنے آئیں تو اس وقت

اچانک وہ سیٹھ امداد اختر کو بتائیں۔ پھر ان کے ملاپ کا نظارہ کریں۔

آخر وہ سیٹھ امداد کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے... انہوں نے دیکھا... وہ بہت عالی شان کوٹھی تھی:

"کیوں گڈو... کوٹھی کو دیکھ کر دل خوش ہوا؟"

"میں اس وقت بھائی سے اور ان کے بچوں سے ملنے کے لیے بے چین ہوں، بھائی تو بچپن سے دیکھا بھالا تھا... ان کے بچوں کو اور بھابی کو پہلی بار دیکھوں گا... لہٰذا کوٹھی کی بات چھوڑیں... پہلے مجھے بھائی اور ان کے بچوں سے ملوائیں..."

"بس گڈو... چند منٹ کی بات ہے۔"

محمود نے آگے بڑھ کر باہر کھڑے سیکورٹی گارڈ سے کہا:

"ہمیں سیٹھ امداد صاحب سے ملنا ہے... ہم ان کے لیے ایک بہت بڑی خوشی کی خبر لائے ہیں۔"

وہ سب اس وقت خان رحمان کی گاڑی میں یہاں آئے تھے... پہرے دار پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا... اس نے فوراً سیٹھ امداد کو اطلاع دی... انہوں نے اندر سے کہلوایا:

"ملاقاتیوں کو اندر لے آیا جائے۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ دروازے کے بائیں طرف ہی لان میں

سیٹھ امداد اور ایک خاتون کرسیوں پر بیٹھے بات چیت میں مصروف تھے۔ ان کی نظریں اندر آنے والوں پر جم گئیں...

وہ حیران سے تھے کہ کون لوگ ان سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ آخر ان کے منہ سے نکلا: "ارے! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... انسپکٹر جمشید صاحب... ارے، آپ حضرات نے کیسے زحمت کی... لیکن اخبارات میں آپ کی تصاویر اور ٹی وی پر آپ کے انٹرویو بہت دیکھے ہیں، لیکن آپ سے ملاقات کبھی نہ ہو پائی۔"

"یہ بات کہی جا سکتی ہے، لیکن ہم میں سے ایک سے آپ کی برسوں پہلے بچپن میں ملاقات رہی ہے۔"

"اچھا... وہ کون ہیں بھلا۔"

"وہ گڈو ہیں... گڈو۔"

"گڈو... کون گڈو۔"

"بچپن میں آپ کے گڈو کہتے تھے۔"

"میں... میں کسی کو بھی گڈو نہیں کہتا تھا۔"

"اچھا کمال ہے... کیا یہ سچ نہیں کہ بچپن میں آپ کے چھوٹے بھائی گم ہوئے تھے..."

"ہاں بالکل گم ہوئے تھے تو پھر۔"

''تو ان کا نام گڈو تھا نا۔''

''جی نہیں ... ہم اسے گھر میں منا کہتے تھے ... ویسے اس کا نام راشد تھا۔''

''تب پھر ان کا نام گڈو بیگار کیمپ میں رکھا گیا ہوگا۔''

''کیا مطلب ... میں سمجھا نہیں... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''آپ کے بھائی گڈو ... میرا مطلب ہے، راشد کو بچپن میں کوئی اٹھا لے گیا تھا... اس نے انہیں ایک بیگار کیمپ میں پہنچا دیا تھا ... وہاں اغوا کر کے لائے گئے لوگوں سے پتھر تڑوائے جاتے ہیں۔ آپ کے والد بے چارے بیٹے کے غم میں گھل گھل کر چل بسے ... اس واقعے کے 35 سال بعد کہیں جا کر بے چارہ راشد یعنی گڈو وہاں سے بھاگ نکلنے کے قابل ہوا ... اور کسی طرح آخر یہاں تک یعنی ہمارے گھر تک آگیا ... یعنی ہمارے پاس ... اس طرح ہم اس بیگار کیمپ کی تلاش میں نکلے ... وہاں تو تین چار سو لوگ قید تھے اور پتھر توڑتے تھے... خیر ہم بہت مشکلات کے بعد ... بلکہ پاپڑ بیلنے کے بعد اس کیمپ کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے لیے ہمیں فوج کی مدد لینا پڑی ... اللہ کا شکر ہے ... تمام قیدی رہا ہو چکے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو بھیجے جا رہے ہیں ... اسی بیگار کیمپ سے ہمیں ایک

بہت پرانا رجسٹر ملا ... اس میں گڈو کے ماں باپ کا نام اور پتا درج ہے ... گویا اب ہم گڈو یعنی آپ کے گمشدہ بھائی راشد کو لے کر اس پتے پر آئے ہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے ... آپ میرے اغوا شدہ بھائی کو لے کر آئے ہیں۔'' سیٹھ امداد نے یقین نہ کرنے والے انداز میں کہا۔

''ہاں جناب ...۔''

''م ... مجھے یقین ہے یہ ... یہ میرا بھائی راشد ہے۔'' ساتھ بیٹھی خاتون چلا اٹھی اور اٹھ کر اس سے لپٹ گئی: ''دیکھیے بھائی جان ... یہ ہو بہو ابا جی کی شکل ہے ... ہے نا ... میں ... میں تمہاری چھوٹی بہن ہوں ... تمہارے گم ہونے کے تین ماہ بعد اس دنیا میں آئی تھی... جب میں نے ہوش سنبھالا تھا تو میرے ماں باپ رو رو کر تمہارے بارے میں بتایا کرتے تھے... تت ... تم واقعی وہی ہو ... تمہارا ناک نقشہ، رنگ روپ، چال ڈھال سب کچھ میرے ابا جی جیسا ہے ... میرا بھائی ... میرا بھائی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ رونے لگی۔

ادھر انہوں نے دیکھا ... سیٹھ امداد اختر سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے... یہ بات محسوس کر کے انہوں نے کہا:

''آپ کو کیا ہوا سیٹھ صاحب ... ہم محسوس کر رہے ہیں...

آپ کو اپنے بھائی کے آنے کی ذرہ بھر خوشی نہیں ہوئی۔"

ان کا جملہ سن کر سیٹھ امداد زور سے چونکے ... پھر بولے:

"یہ بات نہیں ... بات دراصل یہ ہے کہ مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا... کہ یہ میرا بھائی منا ہے ... خیر میں چیک کروں گا... اگر واقعی یہ میرا بھائی ہے... تو میں اسے اپنے سینے سے لگا لوں گا۔"

"بھائی جان! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ... منے کا ناک نقشہ نہیں دیکھ رہے... بالکل ابا جی کی شکل ہے... یہ میرا بھائی ہے... سو فیصد بھائی ... اور پھر انہیں لانے والے کون لوگ ہیں ... یہ بھی تو دیکھیں ... انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ... ملک کے معروف ترین لوگ ... ان لوگوں سے تو کوئی غلط بات آج تک منسوب نہیں کی گئی۔"

"پھر بھی چھوٹی ...زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ... میں چیک کروں گا ... آپ کو نہیں پتا ... آج کل فراڈ کس کس طرح ہو رہے ہیں... آپ کو پتا ہے... میری اربوں کی جائیداد ہے ... اربوں کی ... کیا میں بغیر کسی اطمینان کے اسے اپنا بھائی مان لوں اور اربوں کی جائیداد میں اسے حصے دار بنا لوں ...نہیں ... میری سیدھی سادی معصوم بہن نہیں ... یہ کام اس طرح نہیں ہوگا... تمام تر کارروائی کرنا ہوگی اور سرکاری طور پر انہیں ثابت کرنا ہوگا کہ یہ منا ہے۔"

ان الفاظ نے سب پر سکتہ طاری کر دیا ... انسپکٹر جمشید کے ماتھے پر بل پڑ گئے ... خاص طور پر گڈو کا تو رنگ فق ہو گیا ... انہوں نے صاف دیکھا ... اس کی آنکھوں میں ستارے جھلملا رہے تھے ... بارش کے ان قطروں کی مانند جو پلکوں پر اٹکے رہ گئے ہوں اور کسی دم گالوں پر ٹپکنے ہی والے ہوں ... پھر اچانک اس کے ہونٹ ہلے:

"بھائی جان ... اربوں کی جائیداد آپ کو مبارک ... مجھے نہیں چاہیے یہ سب ... میرے لیے تو آزادی سب سے بڑی نعمت ہے لیکن شاید اس کے باوجود کہ میں آپ کو حلفیہ لکھ کر دینے کیلئے تیار ہوں کہ مجھے آپ کی دولت میں سے ایک دھیلا بھی نہیں چاہیے آپ مجھے اپنے پاس نہ رکھنا چاہیں ... اس لیے میں جا رہا ہوں ... اچھا میری بہن ... اچھا انسپکٹر صاحب اور بچو، آپ حضرات کا مجھ پر اور باقی قیدیوں پر بہت بڑا احسان ہے، آپ مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے ہمیشہ۔" یہ کہتے ہوئے وہ بری طرح رو پڑا اور چلا گیٹ کی طرف۔

"نہیں منا ... ہرگز نہیں۔" بہن کی آواز سنائی دی ...

ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔تیزی سے منے کی طرف آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی:

"تم میرے ساتھ رہو گے ... میرے گھر ... یہ میرا گھر نہیں

ہے... میں اپنے خاوند کے ساتھ اسی شہر میں یہاں سے کچھ فاصلے پر رہتی ہوں... میں تو اس خود غرض انسان سے ملنے آئی تھی ... لیکن آج کے بعد نہیں آؤں گی ... آؤ چلیں ... کیا قسمت پائی ہے میں نے ... ایک بھائی لوٹا دیا... دوسرا لے لیا۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک حسرت بھری نظر اپنے بڑے بھائی پر ڈالی... اور چل گیٹ کی طرف ... اور گڈو نے تو مڑ کر دیکھا بھی نہیں ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا:

"آؤ بھئی چلیں ... ہم بھی چلتے ہیں ... اب ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے ... کہانی تو کب کی ختم بھی ہو گئی ... ہاں ... ہم گڈو سے ضرور کچھ کہنا چاہیں گے۔"

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید بھی گیٹ کی طرف قدم اٹھانے لگے۔ ان کے ساتھی بھی چلنے لگے ... یہاں تک کہ وہ گیٹ پر پہنچ گئے... لیکن سیٹھ امداد نے انہیں آواز نہ دی ... نہ گڈو کو روکا ... نہ اپنی بہن کو آواز دی ... اچانک انسپکٹر جمشید پلٹے اور انہوں نے کہا:

"سیٹھ صاحب ... اگر راشد نے ہمیں اجازت دی تو ہم ان کا کیس لڑیں گے اور ان کا حق انہیں دلوائیں گے ... اور یاد رکھیے گا ... میں محکمہ سراغرسانی کا آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک وکیل بھی

ہوں ... ان کی پیروی میں خود کروں گا اور پھر آپ سے عدالت میں پوچھوں گا ... آپ منا کو اپنا چھوٹا بھائی مانتے ہیں یا نہیں ... انہیں ان کا حق دیتے ہیں یا نہیں... بس مجھے آپ سے یہی کہنا تھا..."

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آئے... لیکن انہیں ایک جھٹکا لگا، گڈو ان کے سامنے تنا کھڑا تھا... اس نے بلند آواز میں کہا:

"نہیں انسپکٹر صاحب ... آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے ... میں ایسا کوئی قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا ... اربوں کی اس دولت کا میں کیا کروں گا... یہ دولت مجھے میرے ماں باپ سے ملا نہیں پائی تو پھر میرے کس کام کی ... میں اس دولت سے دور ہو جانا چاہتا ہوں ... دور۔"

یہ کہہ کر وہ مڑ گیا اور آگے بڑھ کر اپنی بہن کا ہاتھ تھام لیا:

"ایک بات پوچھوں انسپکٹر صاحب۔"

"ضرور..."

"میرے بھائی ... آپ ہیں یا سیٹھ امداد۔"

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا... بس اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے ... اس وقت منا بولا:

"سچ یہی ہے انسپکٹر صاحب ... میرے بھائی سیٹھ امداد نہیں...

آپ ہیں ... آپ ۔''

انسپکٹر جمشید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ... اور پیار بھرے انداز میں اسے تھپکی دی ... اور وہ آنسو بہانے لگا ... تمام راستہ آنسو بہاتا رہا ... یہاں تک کہ بہن کا گھر آگیا:

'' ایک منٹ ٹھہریں ... میں اپنے خاوند کو یہاں بلاتی ہوں ... آپ لگے ہاتھوں ان سے بھی مل لیں۔''

یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئی اور پھر ایک خوش شکل اور خوش لباس شخص کے ساتھ باہر آئیں ... انہوں نے کہا:

'' ان سے ملیے ... یہ میرے بچپن میں گم ہونے والے بھائی منا ہیں ... اور یہ ہیں انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ... ساری کہانی میں بعد میں سناؤں گی اور اگر یہ حضرات اندر آکر چائے پی لیں تو ہم سب خوش قسمتی خیال کریں گے۔''

'' اس پر خلوص دعوت کو ٹھکرانا ناممکن ہے ۔''

انسپکٹر جمشید نے کہا اور ان کے قدم اندر کی طرف بڑھنے لگے ۔

☆☆☆☆☆

آئندہ ناول کی ایک جھلک

ریشمی پرچھائیں

اشتیاق احمد

- فواد کو زمین پر اچانک ایک چیز نظر آئی ۔
- اس ایک کنکر سے اس چیز کے گرد دائرہ سا لگا دیا ۔
- دونوں سیر کے لیے نکلے تھے ۔
- پھر اس نشان کے اندر اسے جو چیز نظر آئی ... اسے دیکھ کر وہ بری طرح اچھل پڑا ۔
- محمود اور فاروق بھی اس روز سیر کے لیے اسی طرف آئے تھے ۔
- کنکر سے بنے نشان کے اندر انہیں اس جگہ خون پھیلا نظر آیا ... خون بالکل تازہ تھا ۔
- وہ اس وقت ایک گھنے جنگل میں تھے ۔
- فاروق نے ایک اونچے درخت پر چڑھ کر چاروں طرف کا جائزہ لیا تو ایک سمت میں انہیں ایک عمارت نظر آئی ۔

- اس عمارت میں کیا ہو رہا تھا... یا کیا ہونے والا تھا۔
- اکرام فرزانہ کو لے کر اس جگہ پہنچا، لیکن وہاں محمود اور فاروق دور دور تک موجود نہیں تھے...
- اب تو وہ چکرا گئے... خان رحمان اور پروفیسر داؤد...
- چچا بنتال سے ملیے... ایک پراسرار کردار! جو ذہنوں سے چپک جائے گا۔
- لیکن کیا وہ واقعی چچا بنتال تھا... ایک عجیب سوال۔
- پروفیسر ڈاکٹر کافوری کون تھا۔
- آخر میں ایک بہت انوکھی جنگ... آپ نے آج تک ایسی جنگ نہیں پڑھی ہوگی۔

Mahmood, Farooq, Farzana and Inspector Jamshed Series

Pagal Wapsi پاگل واپسی

Aik shakhs begaar camp se faraar hua ...

Asfand chowk me kia ho raha tha.

Begaar camp khud aik jurm lekin us camp ki aar me wahan konsa khel khela ja raha tha.

Aur jub un ke saath jaane walay military dastay per mulk dushmano ne hamla ker diya. Aap ko iss kitab me Operation Zarbe Azab ki jhalak nazar ayegi.

Aik syasatdan jo iss sazish ki pusht per tha.

Aghwa honay wala aik bacha jub 35 saal baad apne ghar pohncha tou uss ke saath kia suluk hua.

Aik hotel jahan maut un ka intizar ker rahi thi

Title Design - Asha Farooq

A-38 B-16
0300-2472238, 32578273, 34260000
email: atlantis@cyber.net.pk
www.inspector-jamshed-series.com